آبدوز کشتیان اور سرنگ از جناب فیض محمد صاحب بی اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت لکھی نہین، پتہ ادارۂ ادبیات اردو، رفعت منزل خیرت آباد، حیدرآباد دکن،

اس مختصر رسالہ مین آبدوز کشتیون اور سرنگون کی ایجاد مختلف ملکون مین ان کی عہد بعہد کی ترقیون، انکی موجودہ ترقی یافتہ شکل اور اسکے استعمال کے طریقون کی تفصیل ہے، کتاب دلچسپ بھی ہے اور مفید بھی،

شاعر کی دنیا، مرتبہ جناب محمد عظیم الدین صاحب بجت بی اے عثمانیہ تقطیع چھوٹی، ضخامت ۹۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۸/ پتہ:- ایم اے، وین رود بڑ، نظامت کرڑورگری حیدرآباد،

اس مختصر تذکرہ مین مرتب نے حیدرآباد کے دورِ جدید کے چالیس اچھے اور خوش گو شعرا کے بقدر تعارف حالات اور ان کی شاعری کے منتخب نمونے دیئے ہین، اس مین خاص حیدرآبادی شعرا کے علاوہ وہان کے متوطن شعرا کی بھی خاصی تعداد ہے، انتخاب خوش مذاقی سے کیا گیا ہے،

مسلمان بچون کی پہلی دوسری اور تیسری کتاب از جناب مقبول احمد صاحب سیوہاروی تقطیع چھوٹی، ضخامت علی الترتیب ۳۶، ۵۲، ۴۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہین، پتہ:- کتاب گھر سیوہارہ ضلع بجنور وجامعہ ملیہ دہلی،

مؤلف نے یہ تینون کتابین مسلمان بچون کی ابتدائی مذہبی تعلیم کے لئے لکھی ہین، مضامین مین تعلیم کے ساتھ اخلاقی تربیت کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اور اسلامی عقائد ابتدائی دینی معلومات اور اخلاقی تربیت کے اسباق کو روزمرہ کی گفتگو اور قصہ کے پیرایہ مین بیان کیا گیا ہے، اسباق کے مناسب چھوٹی چھوٹی دلچسپ نظمین بھی ہین،

"م"

"جلد ۴۶" ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۰ء "عدد ۶"

مضامین

شذرات

۲۳ نومبر ۱۹۴۰ء اور ۲۱ شوال ۱۳۵۹ھ کی سہ پہر تھی کہ پھلواری سے مولٰنا ابوالمحاسن محمد سجاد نائب امیر شریعت بہار کی وفات کی خبر آئی، دل کو یارائے ضبط نہ رہا، آنسوؤں کے چند قطرے زمین پر گرے، وہ زمین جواب اس مرنے والے کی خوابگاہ ہے ابھی قلب میں یہ ہمت بھی نہیں کہ جی بھر کر ماتم کروں، اور دل کے شیون کو سپردِ قلم

دریں آشوبِ غم عذرم بنہ گر نالہ زن گریم

جہانے راجگر خوں شد، ہمیں تنہا نہ من گریم

دو ماہ ہوئے کہ مولانا عبد العزیز صاحب خطیب و امام جامع مسجد گوجرانوالہ نے جو دیوبند کے عالم اور وقت کے بڑے محدث تھے، وفات پائی، انھوں نے صحاح و مسانید کی مختلف کتابوں کی فہرستیں بطور اطراف بڑی محنت سے لکھی تھین، جنمیں صرف بخاری کی فہرست نبراس الساری فی اطراف البخاری کے نام سے چھپی ہے، مرحوم نے مجھے لکھا تھا کہ مسند ابن حنبل کی بھی ایک فہرست بنائی ہے، اور وہ اس کے چھپوانے کی فکر میں تھے، کیا اچھا ہو اگر ان کی یادگار میں ان کی یہ کتاب گوجرانوالہ کے قدرداں چھپوا سکیں، یا وہ اس نسخہ کو کسی قدرشناس کے سپرد کریں، کہ وہ اس کو چھپوا کر اس فیض کو عام کردے،

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے جو مختصر سیرت لکھی گئی تھی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے

کہ وہ مقبولِ خاص و عام ہو رہی ہے مختلف شہروں میں اس کے پچاس نسخے بھیجے جا رہے ہیں اور فروخت ہو رہے ہیں، سب سے بڑی بات یہ کہ سرکارِ نظام کے محکمۂ تعلیم نے اپنے اسکولوں اور کتبخانوں کے لئے اس کے سات سو نسخے خرید فرمائے ہیں، یہ قدردانی اور دین پروری **سرکارِ نظام** کے ان خصوصیات مین ہے جن کی بنا پر وہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ محبوب اور پشت و پناہ علومِ دین سمجھی جاتی ہے،

فتنہ نگار نے عام مسلمانوں کے دلوں میں خواہ آگ ہی کیوں نہ لگا دی ہو مگر پوچھنا یہ ہے کہ ہمارے خواص کو اس کی خبر بھی ہوئی اور ان مسلمانوں کے کانوں تک جو کسی ریاست کی مسند یا سلطنت کے تخت پر بیٹھے ہیں، یہ صدا پہنچی بھی،

ہندوستان کے اسلامی تخت پر ایک ہی فرمانروا ہے، جس کے کانوں میں یہ آواز اکثر عوام مسلمانوں سے بھی پہلے پہنچی، اور اس کے دل کو بے چین کر گئی، یہ اعلیٰحضرت فرمانروائے کشور دکن ہین، آج اکثر ریاستوں میں حکومت کی باگ جن ہاتھوں مین ہے، وہ اپنے دل کا سرمایہ زمانہ کے سوداگر کے ہاتھوں فروخت کر چکے ہیں، وہ سیاست کے باب میں بیحد فرض شناس، لیکن دین کے معاملہ میں حد درجہ بے تعصب؛ لیکن سرزمینِ دکن پر ابھی تک بحمد اللہ ایسے وزرار کے ہاتھوں میں حکومت ہے جو اپنی مختلف قوموں والی رعایا کے ساتھ حد درجہ روادار ہونے کے باوجود اپنے مذہبی فرض سے غافل نہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے اپنے حدود مملکت کو اس فتنہ سے پاک رکھنا ضروری سمجھا اور ایک سال کے لیے اس بدنام رسالہ کو ممالک محروسۂ سرکارِ عالی میں داخلہ کی ممانعت کر دی، یہ وہ فرض شناسی ہے جس کے لئے ہر کلمہ گو اعلیٰحضرت شہریارِ دکن کی حکومت کا شکر گذار ہوگا،

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدگی عام طور سے کی جارہی ہے، مختلف شہروں میں اب تک اس کے جو نسخے بھیجے گئے ہیں، ان کی فہرست حسب ذیل ہے، حیدرآباد دکن ۷۲۵۔ لکھنؤ ۳۰۔ علیگڈھ ۱۵۰۔ پٹنہ ۱۰۰، اعظم گڈہ ۵۰، مئو ۵۰، کراچی ۵۰، جون پور ۵۰، گوجرانوالہ (پنجاب) ۲۵، احمدآباد ۲۵، شاہ گنج ۲۵، رام پور ۲۰، بھوپال ۲۰، شملہ ۲۰، لاہور ۲۰، رانچی ۲۰، مظفر پور ۲۰، ان کے علاوہ متفرق خریداریاں ہیں، امید ہے کہ نیا سال شروع ہوتے ہوتے یہ اڈیشن ختم ہوجائے،

اہل نظر نے بھی اس کے متعلق اچھی رائیں ظاہر کی ہیں، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی نے لکھا، "یہ اچھا کام ہوا، اس کو پڑھ کر آنکھیں پُرآب ہوئیں" شملہ سے مولوی محمد عمر صاحب نعمانی لکھتے ہیں،

"سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح یہ کتاب بھی یقیناً مقبول بارگاہ نبوت ہوئی، کہ دل اس کی طرف کھنچے جاتے ہیں، کتاب بچوں کے لئے لکھی گئی ہے مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ جوان اور بڈھے بچوں کو بھی وہ محقق معلومات نہ ہونگی جو اس میں مذکور ہیں"

جسٹس مولوی معین الدین صاحب انصاری فرنگی محلی بیرسٹرایٹ لا جج عدالت عالیہ ریاست رامپور لکھتے ہیں،

"محسوس ہورہا ہے کہ یہ کتاب حسب امید مقبول ہورہی ہے آپ کی یہ سعی مشکور ہوئی، اور آپ مبارکباد کی قبول فرمائیں، آخری روزہ میرا اسی کتاب نے بہلایا، کسی نوبت پر کتاب ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا

ع کرم کردی الٰہی زندہ باشی

اسی سلسلہ میں انھوں نے ایک اور مفید تجویز پیش کی ہے جو ذکر کے قابل ہے، لکھتے ہیں:-

"اس کی سلاست کو دیکھکر ایک عجیب خیال مجھے دامنگیر ہورہا ہے یعنی یہ کہ کتاب ہندی رسم الخط میں بھی شائع ہوجائے مگر تھوڑے سے حذف و اضافہ کی حاجت ہوگی، اس کو ہندی خط میں لکھنے کا کام میں کردونگا"

معلوم نہیں اس تجویز کی عملی تائید بھی کرنے کے لئے کوئی آمادہ ہے یا نہیں،

مقالات

وحی کے اقسام

سید سلیمان ندوی

(۳)

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ یہ مدعی دلائل کی گرفت سے گبھرا کر جس منزل پر اگر رکا ہے کیا یہاں بھی اسکے لئے پاؤں ٹیکنے کی جگہ ہے،؟ اوپر بتایا گیا ہے کہ مدعی کی غلطی کا منشا جیسا کہ وہ ظاہر کرتا ہے، وہ آیتیں ہیں، جن میں جانوروں اور عام انسانوں، بلکہ شیطانوں تک وحی کی نسبت کی گئی ہے، اب ہم ان میں سے ایک ایک قسم کی آیت کو لیکر اس پر بحث کرتے ہیں، اور بتاتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے،

وحی ربانی کی حقیقت

سب سے پہلے معلوم ہونا چاہئے کہ وحی ربانی کے یعنی اوس وحی کے جو خدا کی طرف سے ہوتی ہے، معنی کیا ہیں، سو معلوم ہونا چاہئے کہ وحی ربانی اس طریقۂ غیبی یا ذریعۂ غیبی کا نام ہے، جس کے واسطہ سے انسان کے غور و فکر، کسب و نظر، اور تجربہ و استدلال کے بغیر خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض اوسکے فضل و عطا سے کوئی علم آتا ہے، اور آیاتِ قرآنی اس پر گواہ ہیں، ہم یہاں پرانہی آیتوں کو پیش کرتے ہیں جن میں قصصِ قرآنی کی نسبت سے وحی کا ذکر ہے،

حضرت مریمؑ کے قصہ کے بعد ہے:-

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ — یہ غیب کی خبروں میں سے جس کو ہم تیری

اِلَیْکَ ؕ (آل عمران ۵)	طرف وحی کرتے ہین،

حضرت نوحؑ کے قصہ کے بعد ہے :-

تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْھَآ اِلَیْکَ	یہ باتین غیب کی خبرون مین سے ہین ہم
مَا کُنْتَ تَعْلَمُھَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ	ان کو تیری طرف وحی کرتے ہین، تجھکو اور
مِنْ قَبْلِ ھٰذَا (ھود ۴)	تیری قوم کو اس سے پہلے ان کا علم تھا،

حضرت یوسفؑ کے قصہ کے بعد ہے :-

ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ	یہ غیب کی خبروں مین سے ہے ہم تیری طرف
اِلَیْکَ، (یوسف ۱۱)	اسکو وحی کرتے ہین،

وحی کی حقیقت کی جو تشریح مدعی نے اب تک کی ہے، وہ یہ ہے، "برمحل سوجھ بوجھ' نفسانی تاثر اور وجدان" ہر شخص سے جس میں عقل کا کوئی ذرہ ہے، یہ سوال ہے کہ دنیا کے تاریخی واقعات کا علم کسی شخص مین برمحل سوجھ بوجھ، نفسانی تاثر اور وجدان سے پیدا ہو سکتا ہے؟ یہ تو جب ہی معلوم ہو سکتے ہین، کہ یا تو وہ کسی سے سُنے جائین، یا کسی کتاب مین پڑھے جائین، قرآن پاک نے ان دونون طریقوں کی نفی کر دی ہے" اور یہان پر ظاہر بھی کر دیا ہے کہ ان واقعات کا علم انسانی ذرائع سے نہیں، بلکہ **غیب** سے بذریعہ وحی ہوا ہے،

انسانی ذریعہ علم کے ان دونون طریقوں کی نفی قرآن پاک کی حسب ذیل آیت مین ہے،

وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ	اس دعوائے نبوت یا نزول قرآن
کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِکَ	سے پہلے نہ تو تو کوئی کتاب ہی پڑھتا تھا،
اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ،	نہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا، ایسا ہوتا تو ان
(عنکبوت ۵)	باطل پرستون کیلئے شبہ کی کوئی گنجایش"

اب رہا یہود و نصاریٰ سے سُن کر ان واقعات کا علم! تو دوست و دشمن سب کو معلوم ہے کہ مکہ کی زندگی مین یہود و نصاریٰ سے آپ کی صحبت کسی طرح ثابت نہین، اور نہ مکہ معظمہ مین ان کی آبادی تھی، لے دے کر ایک بحیرا راہب کا افسانہ عیسائیون کے پاس ہے، جس سے جیسا کہ کہا جاتا ہے، سفر شام میں اپنے چچا کے ساتھ آپ کی ملاقات چند منٹ کے لئے ہوئی تھی، اور جس نے آپ کو دیکھکر آپ کے چچا کو بھتیجے کی پیغمبری کی خوشخبری سنائی تھی، اگر دس بارہ برس کا یہ بچہ ان چند لمحون کی ملاقات مین ایک شخص سے وہ سب کچھ سُن سکا، اور ان کو سمجھ سکا، جو قرآن پاک کی دو دفتیون کے درمیان ہے، تو یہ مافوق بشری طاقت بجائے خود آپ کی نبوت کی دلیل ہے،

بہرحال اب عیسائی مناظرین سے معلومات حاصل کر کے مسلمان نیازؔ بتائین کہ آنحضرت صلعم نے کن یہودیون اور عیسائیون سے کہان اور کب قصص قرآنی کے یہ معلومات حاصل کئے، (نعوذ باللہ تعالیٰ)

وحی کے معنی کی تعیین کے بعد جو کہ غیبی تعلیم کا نام ہے، آئیے وحی کے بعض اقسام پر غور کرین، مدعی نے قرآن پاک کی اون اکثر آیتون کو یکجا کر کے جن مین وحی کا لفظ ہے، یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وحی کے معنی ہین "برمحل سوجھ بوجھ" اور یہ نتیجہ ہے اوس ذہنی قوت کا جو فطرۃً انسان مین ودیعت رکھی گئی ہے۔" (جولائی ص ۵۹)

اب آئیے دیکھیں کہ وحی کے یہ معنی کہان کہان صادق آتے ہین، اس سلسلہ مین مدعی نے یہ خوب لکھا ہے :-

"سب سے پہلی غلطی جو وحی کا مفہوم متعین کرنے مین روا رکھی گئی ہے، یہ ہے کہ وحی کو انبیاء و رُسل کے لئے مخصوص سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ یہ حقیقت نہین ۔۔۔۔۔۔ غیر انبیاء بلکہ حیوانات وجمادات پر بھی وحی کا نازل ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ (جولائی ص ۶۰)

اے کاش یہ معلوم ہوتا کہ یہ غلطی کس نے روا رکھی ہے، کیا علماے اسلام مین سے کسی نے یہ کہا ہو، کہ وحی بمعنی عام صرف انبیاء علیہم السلام کیلئے مخصوص ہے، جس اختصاص کا ان کو دعویٰ ہے وہ اُس قسم کی وحی کے متعلق ہے، جو صرف انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص ہے،

قرآن پاک کی آیتون سے یہ صاف ظاہر ہے کہ از روے قرآن وحی کی تین قسمین ہین، وحی نوعی یا فطری، وحی شخصی یا جزئی، اور وحی نبوی، اور تینون کے الگ صفات اور لوازم ہین، سب سے پہلے وحی نوعی یا فطری کو لیجئے جس سے مدعی کو سب سے زیادہ مغالطہ پیش آیا ہے یا مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

وحی نوعی یا فطری یہ وہ وحی ہے جو آسمان و زمین اور جانور اور جمادات بلکہ ہر نوعِ مخلوق کو ملی ہے، اور جس کو اہلِ علم اصطلاح مین جبلت، یا بعض لوگ تسامح کرکے فطرت کے احکام نوعی کہہ دیتے ہین، اس وحی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اس نوع کے تمام افراد کو یکسان ملتی ہے، مثلاً جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے، کہ پرندون کے بچون کا اڑنا، آبی جانورون کا تیرنا، جانورون کا چرنا، اور چگنا، انسان کے بچون کا دودھ پینا، بلی کے بچون کا شکار کرنا، شہد کی مکھیون کا پھولون، اور پھلون کا رس چوسنا، اور اونچے اونچے درختون اور پہاڑون میں چھتے بنانا، اور شہد پیدا کرنا، یہ سب ان کے احکام نوعی کا اقتضا ہے، جو اول پیدایش مین خدا نے ان کی طبیعتون مین وحی کر دیا جس کے ماننے پر وہ مجبور ہین، اور جو عجائب قدرت مین ہین، اور جن کو دیکھکر عادی ہو جانے کی بنا پر آپ ان کو احکامِ فطرت کہتے ہین، اور شوق سے کہئے، مگر یہ سمجھئے کہ احکامِ فطرت خود نہیں پیدا ہوئے ہین، بلکہ خالقِ فطرت کے وہ وحی و احکام ہین، جو ان کی نوع کی پیدایش کے پہلے ہی دن سے انکو دے دئے گئے ہین،

اس معنی کو پیش نظر رکھکر اس آیت کو پڑھئے جو ہمارے مدعی کے لئے غلطی کا سرچشمہ بن گئی ہے،

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ	اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی، کہ
اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ	تو پہاڑون درختون، اور چھتون مین
الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِیْ	اپنے لئے گھر بنا، پھر ہر قسم کے میوون
مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ	سے کھا، سو اپنے پروردگار کے (مقرر)
رَبِّكِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا	راستون مین تابعدار ہو کر چل، اس کے پیٹ
شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ	سے پینے کی چیز، مختلف رنگون کی جس مین
شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ	انسانون کے لئے شفا ہو نکلتی ہے، اس واقعہ
لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ، (نحل)	مین سوچنے والون کے لئے (اللہ کی)

آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس فطری حکم کو وحی کے لفظ سے ادا فرمایا ہے جس کی تابعداری شہد کی مکھی کے ہر فرد پر واجب ہے، یہ شہد کی مکھی پر حکم نوعی ہے جس کو خدا نے آغازِ خلقت ہی میں اس پر واجب ٹھہرا دیا ہے جس سے نافرمانی شہد کی مکھیوں کے بس کی بات نہیں، لیکن یہ علم شہد کی مکھی کو "برمحل سوجھ بوجھ" "نفسانی تاثرات" یا غور و فکر اور تجربہ و استدلال سے حاصل نہین ہوا ہے،

انسانون مین پیدایش کے آغاز ہی مین نیکی و بدی، خیر و شر، فجور اور تقویٰ دونو کی صلاحیتین خالقِ فطرت کی طرف سے ودیعت رکھدی گئی ہین اور وہ حکم ہے جو اول روز انکو ہو چکا، اسلئے خدا نے اسکو اپنا الہام فرمایا ہے،

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا،	پھر ہر ایک کے جی مین ڈال دیا، اسکی
(شمس)	بدکاری، اور اسکی پرہیزگاری،

دیکھئے کہ انسان کے اس حصولِ استعداد مین "برمحل سوجھ بوجھ" اور غور و فکر اور تجربہ و استدلال کو کوئی دخل نہین،

آگے چلئے اللہ تعالیٰ کی یہ وحی بے جانون کو بھی پہونچی ہے، زمین کو وحی ہے کہ اوسکی

بیٹھ پر قیامت تک جو کچھ ہوگا، وہ اپنی زبان قال یا زبانِ حال سے اوس کا سارا افسانہ ایک دن دہرا دے،

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا (زلزال)

اس دن زمین اپنا سب احوال بتائیگی کیونکہ اوس کے پروردگار نے اوس کو وحی کر دیا،

یہ تو آپ بھی جانتا ہے کہ یہ شہادت زمین کی برمحل سوجھ بوجھ "نفسانی تاثرات" غور و فکر اور نظر و استدلال کا نتیجہ نہ ہوگی،

آسمان کو بھی وحی ہوئی، کہ وہ اپنے کاروبار کو اس طرح انجام دیتا رہے، جس طرح خدا نے اس کو حکم دیا ہے، آفتاب اوسی طرح نکلتا اور ڈوبتا رہے، چاند اوسی طرح چمکتا اور چھپتا رہے، اور ستارے اوسی طرح چلتے رہین جس طرح خدا نے آغاز خلقت میں ان کو حکم دیدیا ہے، فرمایا

وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا (فصلت - ۲)

اور خدا نے ہر آسمان میں اوس کے کام کو وحی کر دیا،

اب اوسی حکم ازلی کے مطابق ہر آسمان اپنے کام کو انجام دے رہا ہے، اس مین آسمان کے برمحل سوجھ بوجھ "نفسانی تاثرات" غور و فکر، اور تجربہ و استدلال کا کوئی محل نہین،

وحی شخصی یا جزئی

وحی کی دوسری قسم وہ ہے جو خواص امت کو اور وہ بھی از روے قرآن انبیا علیہم السلام ہی کے سلسلہ مین ملی ہے، اور اس کا دوسرا اصطلاحی نام القا، الہام (اصطلاحی معنون مین) اور محدثیت اور مکلمیت ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو وحی ہوئی، کہ بچہ کو صندوق مین رکھکر دریا مین ڈالدو اور تم باطمینان رہو، دشمن اس کو ضرر نہیں پہنچا سکین گے، اور ایک دن مین اس کو پیغمبر بناؤں گا، فرمایا

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ (قصص - ۱)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اس بچہ کو دودھ پلائے جا، پھر جب تجھکو اس بچہ پر ڈر لگے، تو اوس کو دریا مین ڈالدے، اور خوف نہ کھا، غم نہ کر، ہم اس کو پھر تیری طرف لوٹا کر لے آئین گے اور ہم اوس کو پیغمبر بنانے والے ہین،

ہم تھوڑی دیر کے لئے مان لیتے ہین، کہ یہان حضرت موسیٰ کی ماں کی وحی، ان کی برمحل سوجھ بوجھ تھی، لیکن کیا "برمحل سوجھ بوجھ" سے یہ بھی اپنے بچہ کے متعلق ان کو معلوم ہو سکتا تھا، کہ یہ لڑکا دریا مین ڈوب نہین جائے گا، اور پھر میرے پاس آجائے گا، اور ایک دن پیغمبر ہوگا، یہ غیب کی خبر تو غیب کی اطلاع ہی سے معلوم ہو سکتی تھی، اس لئے یہ "برمحل سوجھ بوجھ" یا "نفسانی تاثرات" یہان بھی وحی کا ترجمان نہین، یہان مقصود وحی کی وہ قسم ہے، جس کو اصطلاح مین الہام کہتے ہین، خواہ وہ رویاے حق کے ذریعہ سے ہو، یا بیداری مین القاء فی القلب کی صورت مین ہو، یا اور کوئی شکل ہو،

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کا الہام حواریون کو ہوا، ارشاد ہے:-

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ (مائدہ ۱۵)

اور جب مین نے حواریون کی طرف وحی بھیجی، کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لے آؤ، انھون نے کہا ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلم و فرمانبردار ہین،

یہان بھی اسی شخصی وحی کا ذکر ہے، جو الہام والقا یا رویاے حق کی شکل مین حواریون کو ملی، حدیثون مین بھی آتا ہے کہ رویاے حقہ نبوت کے بہت سے اجزا مین سے ایک جز ہے، جو ایک مرد مومن کو عطا ہوتا ہے، یہ بھی آتا ہے کہ منصب نبوت کے بغیر کچھ خواص امت ہین، جو بعض معاملات کے متعلق

غیب کی خبر پاتے ہین، یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء،

غرض رویاے حقہ بھی اس قسم مین داخل ہے، شرح صدر بھی اس کا ایک کارنامہ ہے، اور اسکی اعلیٰ قسم یہ ہے کہ ملائکہ کا تمثل اوس کے سامنے ہوتا ہے، اور منادی غیب کی آواز اوسکو سنائی دیتی ہے جیسا کہ حضرت مریمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی بیوی اور بعض دوسرے انبیا علیہم السلام کی بیویون کے تذکرون مین قرآن مین ہے، مگر قرآن پاک مین اس وحی کا ذکر صرف انبیا کے تعلق سے ہے یعنی ان کی خاطر یہ اطلاع دوسرون کو دی گئی، اسلئے اس کا تعلق کسی خاص جزئی واقعہ سے ہے، نہ کہ عموم تبلیغ امت سے، اور اسی لئے ہم نے اوس کا نام وحی شخصی اور وحی جزئی رکھا ہی،

مگر آپ پھر بھی یہ دیکھ لین، کہ "برمحل سوجھ بوجھ" اور "نفسانی تاثرات" کا بیان بھی کوسوں پتہ نہین

وحی نبوی اب آیئے اس وحی نبوی پر غور کرین جو کتاب الٰہی کے نزول کا ذریعہ ہے، کہ اسکی نسبت قرآن کا فیصلہ کیا ہے، ہرچند کہ یہ بحث پہلے نمبر مین گذر چکی ہے، مگر اقتضاے مقام کی وجہ سے اس کا اعادہ موزون ہے، قرآن پاک نے وحی نبوی اور کلام الٰہی کے اقسام کا ذکر اس آیت مین کیا ہی،

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ	اور کسی بشر کی تاب نہیں کہ اللہ اوس سے
اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ	دو بدو کلام کرے، لیکن یہ کہ وہ الہام کردے
يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاءُ	یا پردہ کے پیچھے سے بات کرے، یا کوئی
(شوریٰ ۵)	قاصد بھیجے، جو اللہ کے حکم سے اللہ جو چاہتا
	ہے، اس کا پیام اس کو پہنچا دے،

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ کلام اللہ پاک نے ان مین سے اپنے نزول اور وحی کی صورت کیا بتائی ہے، چنانچہ قرآن پاک کا دعویٰ ہے،

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ	کہدے کہ جو جبریل کا دشمن ہو تو وہ ہو

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ	اس سو قرآن کی صداقت پر حرف نہیں آتا، کیونکہ
(بقرہ ۱۲)	اسی نے (اے محمد) تیرے قلب پر خدا کے حکم سے اس قرآن
وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ	یہ قرآن سارے جہان کے پروردگار
بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ،	کی طرف سے اترا ہے، اس کو روح
(شعراء)	الامین فرشتہ لیکر ترے قلب پر اترا،
قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ	(اے رسول ان کے جواب مین) کہہ روح القدس نے
بِالْحَقِّ، (نحل)	تیری پروردگار کی طرف سے سچائی کیساتھ اسکو
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ	یہ رسول اپنی خواہش سے یہ نہین بولتا، بلکہ
اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ	وہ تو وحی ہے، جو اسکو کیجاتی ہو، اوسکو بڑی
الْقُوٰى (نجم)	قوتون والے نے سکھایا ہے،
اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ	بیشک یہ قرآن ایک بزرگ پیغام رسان
بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ	کا بولا ہوا ہے، وہ کسی شاعر کا بولا
وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا	نہین، تم کم ایمان رکھتے ہو، اور نہ وہ
تَذَكَّرُوْنَ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ	کسی کاہن کا بولا ہے، تم کم نصیحت پکڑتے
الْعٰلَمِيْنَ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا	ہو، پروردگار عالم کا اتارا ہے، اور اگر یہ
بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ	رسول ہم پر (یعنی خدا پر) کچھ باتین اپنی
بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ	طرف سے بنا کر گھڑے، تو ہم اس کا داہنا
فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ	ہاتھ پکڑ لین، پھر اوسکی رگ گردن کو کاٹ
(حاقہ)	دین، پھر تم مین سے کوئی اوس کو بچا نہ سکے،

ان آیتون مین ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اسی قسم کے باطل خیال لوگون کی تردید کی گئی ہے، جو پیغمبر کے سامنے بھی گذرے ہین، جو قرآن پاک کے "نفسانی تاثرات" اور "سمجھ بوجھ" کے ہونے کے قائل تھے، اس لئے فرمایا گیا، کہ یہ شاعر کا کلام نہیں، کیونکہ وہ سراسر نفسانی تاثرات کا نتیجہ ہوتا ہے، اور نہ کسی سیانے کاہن کا کلام ہے، جو خوب سمجھ بوجھکر اپنے کلام کو جوڑ توڑ کر سناتا ہے، بلکہ ایک بزرگ پیغام رساں کی زبان سے ادا ہوا اور جو پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے، ساتھ ہی یہ دھمکی ہے کہ اگر یہ رسول اپنے نفسانی تاثر اور ذاتی سمجھ بوجھ سے کچھ کلام گھڑے تو ہم اس کا ہاتھ پکڑ لین اور اسکو وہ سزا دین کہ کوئی اسکو بچا نہ سکے،

اللہ اکبر جس کلام کی یہ شان ہے، وہ ایک مدعی اسلام کی نظر مین محمد صلعم، کا نفسانی تاثر او انسانی سمجھ بوجھ قرار پائے، العیاذ باللہ!

ایک دوسری آیت مین ارشاد ہے:-

اِنّہٗ لقولُ رسُولٍ کریمٍ ذِی	بے شبہہ یہ ایک بزرگ پیغام رسان کا کلام
قوۃٍ عِندَ ذِی العرشِ مکِین	ہے، جو قوت والا ہے، عرش والے خدا
مُطاعٍ ثَمّ امِینٍ ہ وَمَا صَاحِبُکُم	کے یہان ذی مرتبہ ہے، اس کا کہا مانا جاتا
بِمجنونٍ وَلَقَدْ رَاٰہُ بالاُفُقِ	ہے، وہان وہ امانت دار ہے، تمھارا
المُبِیْنِ وَمَاھُوَ عَلیَ الغَیبِ	یہ رفیق (یعنی رسول اللہ صلعم) دیوانہ نہین،
بِضَنِینٍ وَمَاھُوَ بِقولِ شَیطٰنٍ	اس نے اس پیغام رسان کو آسمان کے
رَجِیمٍ! (تکویر)	کھلے کنارہ پر دیکھا، وہ غیب کی باتون
	کو (جو اس کو بتائی جاتی ہین) چھپاتا
	نہین، اور نہ یہ شیطان راندہ گئے کا ام

اس سے زیادہ تصریح کیا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے جبریل کے دل مین اس کو ڈالا، اور جبریل نے محمد رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک پر نازل کیا، اور محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی زبان فیض ترجمان سے اس کو بندون تک پہنچایا، نہ یہ وحی فطری و نوعی ہے، ورنہ شہد کی مکھیون کی طرح نوع انسانی کے تمام افراد اس مین شریک ہوتے، نہ وحی شخصی ہے، ورنہ تمام انسانون کے لئے قابل تسلیم نہ ہوتی، بلکہ وحی نبوی ہے جو روح القدس کے ذریعہ نبی پر اتری، اور اسکے واسطہ سے سب کیلئے واجب العمل ٹھہری

وحی شیطانی اب ایک چیز وحی شیطانی رہ گئی جس کا اس مدعی کے سوا کوئی اور قائل نہین، قرآن پاک مین بطور طنز بے شبہہ ایک دو جگہہ ہے:-

وَکَذٰلکَ جَعَلنا لِکُلِّ نبیٍّ	اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے واسطے
عَدُوًّا شیٰطِینَ الاِنسِ وَ	کچھ دشمن بنائے، انسانون اور جنون
الجِنِّ یُوحی بعضُھُم الیٰ بعضٍ	کے شیطان، ان مین کے بعض بعض کے اندر
زخرفَ القولِ غُرُورًا (انعام ۱۴)	ملمع کی ہوئی بات فریب دینے کیلئے وحی کرتے ہین،

آگے چل کر پھر اسی سورہ مین ہے:-

وَاِنَّ الشیٰطِینَ لَیُوحُونَ اِلیٰ	اور شیطان لوگ البتہ وحی کرتے ہین،
اَولِیَائِھِم لِیُجادِلُوکُم وَاِن	اپنے دوستون کی طرف تاکہ وہ تم
اَطَعتُمُوھُم اِنّکُم لَمُشرِکُونَ	سے جھگڑین، اور اگر تم نے ان کا کہا
(انعام ۱۴)	مان لیا، تو بیشک تم بھی مشرک ہو،

جس کو کسی زبان کے ادب کا ذرا بھی ذوق سلیم ہے؛ وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہان وحی کا لفظ وسوسہ شیطانی کے لئے بطور طنز کے آیا ہے، اس قسم کے محاورے ہر زبان مین ہین، "ذات شریف" سے کون واقف نہین، لفظ کتنا خوبصورت اور معنی کتنے کریہ ہین، غرض اس کے یہ معنی نہین کہ وحی کی

نسبت قرآن نے شیطان کی طرف کی ہے، قرآن نے کئی جگہ یہ کہا ہے،

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ، — ان کا فرون کو دردناک عذاب کی

(آل عمران، توبہ، انشقاق) — خوشخبری دے،

عذاب کی خوشخبری، کیا شیطان کی وحی سے زیادہ عجیب نہین! قرآن مین کافر دوزخی کو خطاب ہی، کہ اسکو عذاب کے وقت کہا جائے گا،

ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ — اس کا مزا چکھ تو تو بڑا غالب اور

(دخان) — عزت والا ہے،

ایک دوزخی کو معزز و محترم و غالب کا خطاب ظاہر ہے، کہ محض طعن و تقریع کے لئے ہے، کیونکہ وہ دنیا مین اپنے کو ایسا ہی سمجھتا تھا،

بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کے لئے وسوسہ کے بجائے وحی کا لفظ بولنا محض طعن و توبیخ و تقریع کے لئے ہے، نہ کہ واقعہ!

قرآن انسان کی فطری قوت کا نتیجہ نہین

اب ایک ایسی آیت پیش کیجاتی ہے، جس سے یہ ثابت ہو گا، کہ قرآن پاک کسی ودیعت شدہ فطری انسانی قوت کا نتیجہ نہین، بلکہ غیب کی طرف سے وقتاً فوقتاً آئے ہوئے سچے خدائی پیغامون کا نام ہے، ارشاد ہے:—

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا — اور اسی طرح ہم نے اس کتاب کو عربی

وَصَرَّفْنَا فِیْهِ مِنَ الْوَعِیْدِ لَعَلَّهُمْ — قرآن کرکے اتارا، اور اس مین طرح طرح

یَتَّقُوْنَ اَوْ یُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا — کے ڈر کی باتین بیان کین تاکہ وہ پرہیزگار

فَتَعٰلَی اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ — ہون، یا ان کے لئے یاد پیدا کرے، تو بلند

بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰی اِلَیْكَ — رتبہ ہے وہ بادشاہ برحق اور جلدی

وَحْیُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ — مت کر، قرآن مین اس سے پہلے کہ اسکی

عِلْمًا، — وحی تیری طرف پوری کردی جایا کرے

(طٰہٰ - ۶) — اور کہہ اے میرے پروردگار، اور

لفظ "قرآناً عربیاً" یہان بھی اور دوسری آیتون مین بھی حال ہے، جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی عربیت خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہے، جس کے دوسرے معنی یہ ہین، کہ قرآن کے الفاظ بھی خدائے پاک کے ہین،

دوسری بات جو اس موقع کے مطابق ہے، یہ ہے کہ اس آیت مین رسولؐ کو یہ حکم ہے کہ نزول قرآن کے وقت جلدی نہ کیجئے، جب تک اسکی وحی پوری نہ کردیجایا کرے، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی وحی وہ وحی فطری نہیں جو طبیعت انسانی مین ودیعت دائمی ہوتی ہے، بلکہ وہ وحی نبوی ہے، جو وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے آتی رہی،

کلامی مباحث

باقی مدعی نے جو کلامی مباحث چھیڑے ہین، اور جن خطرناک علمی خدشون مین وہ گرفتار ہے، ان کا جواب اپنے اپنے اصول پر البیان امرتسر نے مختصراً اور الفرقان بریلی نے مفصل دیدیا ہے، جو امید ہے، کہ تشفی بخش ثابت ہو گا، اس سے معلوم ہو چکا ہو گا، کہ قرآن کی نسبت قولی خدا کی طرف رسول کی طرف اور عام انسانون کی طرف کن کن معنون مین ہوتی ہے؛

جعلی کاغذی سکہ!

مدیر نگار کی خدمت مین آخری گذارش یہ ہے کہ دنیا بہت آگے نکل چکی ہے علم بہت کچھ پھیل چکا ہے، ان کو تجربہ ہو چکا ہے، کہ کاغذ کا جعلی سکہ بنانا آسان مگر اسکا چلانا بہت مشکل ہے! اس تجربہ سے انکو سبق حاصل کرنا چاہئے،

والسلام

عقلیت پرستی پر ایک نظر

از

جناب مولوی محمد مظہر الدین صاحب صدیقی بی اے حیدرآباد دکن،

(۲)

تمدن کے جن بنیادی مسائل کے حل پر انسانی زندگی کی فلاح وبہبود کا دارومدار ہے، ان کا صحیح تصفیہ اس وقت تک نہین کیا جا سکتا ہے، جب تک کہ کائنات خلقت مین انسان کا مرتبہ اور اسکی ابتدا و انتہا کے متعلق صحیح علم نہ حاصل ہو جائے، لیکن ان کا علم عقل واستدلال کے ذریعہ کبھی حاصل نہین ہو سکتا ہے، کائنات کی ابتدا و انتہا، اور اسکی غایت تخلیق کے متعلق بڑے سے بڑے نظامات فلسفہ کوئی تشفی بخش جواب نہین دے سکے ہین، عقل وفکر کی تمام جولانیان ان امور کا صحیح حل پیش کرنے سے ہمیشہ قاصر رہین گی، جون جون انسان اس راہ مین قدم بڑھاتا ہے، مشکلات اور الجھنون کے خار زار مین پھنس جاتا ہے، اور منزل کا سُراغ اُس پر گم ہو جاتا ہے،:-

فلسفی راز حقیقت نہ توانست کشود

گشت راز دگران راز کہ افشا می کرد

لیکن جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، اس معاملہ مین تشکیک وارتیاب بھی ممکن نہین ہے، ان سوالات کا کوئی نہ کوئی حل ذہن وشعور کے مخفی گوشون مین ضرور موجود رہتا ہے، لیکن اس کے صحیح و غلط ہونے کا تصفیہ عقل کا کام نہین ہے، بلکہ وحی والہام کی رہنمائی پر موقوف ہے، زندگی کا کوئی نظام

اس وقت تک استوار نہین رہ سکتا ہے، جب تک کہ اسکی بنیاد ان غایتی مسائل کے صحیح حل پر نہ ہو، مگر اس چیز کو عقل کی موشگافیون کے حوالہ نہین کیا جا سکتا ہے، کیونکہ عقل واستدلال اختلاف پیدا کرتے ہین، اور اس دائرہ مین اختلاف رائے کا پیدا ہونا تمدن کے لئے موت وہلاکت کا پیام ہے، عقل کا کام یہ نہین ہے، کہ وہ ان مقاصد وغایات کا علم بہم پہونچائے، یہ کام ربانی ہدایت اور الہام کی روشنی کا ہے، عقل کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ ان مقاصد وغایات کے لئے وسائل بہم پہونچائے، اور ان اصولون کو روبعمل لانے کے لئے الہامی ہدایت کی روشنی مین قوانین ترتیب دے، اس کا کام نہین ہے، کہ وہ راہ عمل کا تعین کرے، بلکہ اس کا حقیقی منصب مشکلات راہ کو دور کرنا ہے،

مذکورہ بالا بیان پر ایک اعتراض یہ وارد ہو سکتا ہے، کہ اگر مغربی تمدن مین کوئی اصول زندگی اور معیار اخلاق متفق علیہ نہ ہو سکا، تو یہ تمدن اتنے دنوں باقی کیونکر رہا، اس کا ایک جواب تو یہ ہے، کہ اس تمدن نے مذکورہ بالا اسباب ہی کی بنا پر اتنی مختصر عمر پائی، کہ ابھی اسکی پیدائش کو مشکل سے دو سو سال ہوئے ہین لیکن اسکی تباہی اور بربادی کے آثار نمایان ہین، دوسرے اس مختصر عرصہ کے لئے اوس نے ایک متفقہ اصول ضرور وضع کیا تھا اگرچہ اسکی تعبیرات اتنی مختلف تھین، کہ اتفاق رائے کا ہونا نہ ہونا برابر تھا، یہ اصول عملی افادیت کا اصول تھا جس کا سب سے بڑا حامی اور مبلغ بنتھم گذرا ہے، زیادہ سے زیادہ انسانون کی زیادہ سے زیادہ مسرت کا حصول مغربی تمدن کا اصل اصول رہا ہے، اگرچہ اس اصول مین اتنی لچک ہے کہ جس نظام زندگی کے متعلق چاہئے، ثابت کر دیجئے کہ اسی مین زیادہ سے زیادہ انسانون کی زیادہ سے زیادہ مسرت ہے، مغربی حکومتون کا ہر عمل اسی ایک معیار پر جانچا جاتا ہے، افادیین کا دعویٰ ہے، کہ اس سے بہتر اصول زندگی عقل نے اس سے پہلے کبھی دریافت نہین کیا تھا، اور یہی اصول انسانی زندگی کی بیشتر مشکلات کا حل ہے، لیکن خود عقل کی رو سے اس اصول کو دیکھئے تو یہ سراسر نقائص سے لبریز ہے، انفرادی

زندگی کے لئے یہ اصول قطعاً بے سود ہے، کیونکہ اس کا مقصد جماعت کی زیادہ سے زیادہ مسرت ہو
اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب افراد اپنی زیادہ سے زیادہ مسرت کا خیال ترک کر دین، کیونکہ اگر ہر فرد
زیادہ سے زیادہ مسرت کے حصول کا طالب ہو، تو پھر اجتماعی زندگی کا قیام ہی مشکل ہو جائے گا، فرد
اسی وقت زیادہ سے زیادہ مسرت حاصل کر سکتا ہے، جب اسکی تمام ممکن خواہشات تسکین پا جائین
اور دوسرے افراد کے نفع یا نقصان کا خیال اسکی راہ مین حائل نہ ہو، اور یہ چیز اجتماعی زندگی مین
ناممکن ہے، یہین سے اس اصول عمل کا ایک بڑا نقص ظاہر ہو جاتا ہے، اور وہ یہ کہ اس اصول کی رو
سے فرد و جماعت کے اغراض مین ایک دائمی اختلاف ہے، کیونکہ یہ اصول جماعت کو تو زیادہ سے
زیادہ مسرت کا حقدار قرار دیتا ہے، لیکن اگر فرد اسی اصول زندگی کو اختیار کرنا چاہے اور زیادہ سے
زیادہ مسرت کے حصول کی کوشش کرے، تو اُس پر طرح طرح کے قیود عائد کرکے اُس کو مسرت کی
کثیر ترین ممکن مقدار سے محروم کر دیا جاتا ہے، ایک ایسا نصب العین جس پر عمل کرنا فرد کے لئے جرم
قرار دیا جائے، اور جماعت کے لئے اعلیٰ ترین خیر یقیناً نادرست ہے، کیونکہ افراد کے اخلاقی اور عملی
اصول جماعت ہی کے اصولون سے ماخوذ ہوتے ہین، جماعت کی ذہنیت ہی افراد کی ذہنیت
بناتی ہے، اور فرد چھوٹے پیمانہ پر وہی کام انجام دیتا ہے، جو جماعت بڑے پیمانہ پر کرتی ہے، زندگی
کی اصلاح کسی ایسے یک طرفہ نصب العین سے نہیں کیجا سکتی ہے، جو جماعت کے لئے ایک معیار
اور فرد کے لئے دوسرا معیار تجویز کرتا ہو، اس اعتراض کو بھی نظر انداز کر دیا جائے، تو سوال یہ ہے
کہ جماعت کی کثیر ترین مقدار مسرت سے کیا مراد ہے، دنیا مین بے شمار جماعتین ایک دوسرے
کے پہلو بہ پہلو زندگی بسر کرتی ہین، اور زمین پر بسنے والی قومون کی تعداد بھی ایک دو نہین ہے، اگر
یہ فرض کر لیا جائے کہ ہر قوم ایک جماعت ہے گو ہر قوم متعدد جماعتون پر مشتمل ہوتی ہے، تو
بھی سمجھ مین نہین آتا ہے کہ کوئی قوم اس اصول پر کس طرح عمل پیرا ہو سکتی ہے، جب تک کہ وہ

دوسری اقوام کے اغراض و مفاد سے یک قلم قطع نظر نہ کرے، اگر ایک ملک مثلاً جرمنی اپنی قوم کے لئے
مسرت کی کثیر ترین مقدار مہیا کرنا چاہے، تو یہ اُسی وقت ممکن ہے جب وہ دوسری تمام قومون اور
ملکون کے نفع اور نقصان سے بے پروا ہو کر جس قدر وسائل دولت و ثروت پر اپنے زور و اقتدار
سے قبضہ جما سکے جمالے، گویا مسرت کی مقدار کا تعین قوم کے زور و طاقت پر منحصر ہے، اور وہی قوم مسرت کی
کثیر ترین مقدار حاصل کر سکتی ہے جو اپنی تنظیم اپنے علم اور سب سے بڑھ کر اپنی فوجی طاقت کے لحاظ سے سب
پر فوقیت رکھتی ہو، اگر یہ کہا جائے، کہ کسی قوم کو زیادہ سے زیادہ مسرت کے حصول کی اسی حد تک کوشش
کرنی چاہئے جس حد تک کہ دوسری قومون کی کثیر ترین مقدار مسرت مین اس سے کمی نہ واقع ہو تو
پھر کوئی جماعت یا قوم مسرت کی جو کچھ مقدار حاصل کرے گی، وہ کثیر ترین نہ ہوگی، کیونکہ اسکی
مقدار مسرت کا اضافہ اس شرط سے مشروط اور اسی لئے محدود بھی ہے، کہ اس سے دوسری قومون
اور جماعتون کے مفاد و اغراض کو صدمہ نہ پہونچنے پائے، ظاہر ہے کہ اگر مقدار مسرت کے اضافہ پر
اس قسم کی کوئی پابندی لگائی گئی، تو پھر یہ مقدار کثیر ترین نہ ہوگی، بلکہ ایک حد کے اندر محدود
ہوگی، اس کے جواب مین یہ کہا جا سکتا ہے، کہ کثیر ترین مقدار مسرت سے مراد وہ مقدار ہے،
جو کوئی قوم یا جماعت ان اسباب و وسائل سے حاصل کرتی ہے، جو قدرت کی طرف سے اُسے
عطا کئے گئے ہیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ قومون کو اس شرط کا پابند کون بنائے گا، کہ وہ اپنی
مسرت کی کثیر ترین مقدار کے حصول مین دوسری قومون اور جماعتون کے وسائل پر دست درازی
نہ کرین، اور اپنے تمام اعمال مین ان کے مفاد و اغراض کا خیال کرین، جب ایک مرتبہ کثیر ترین مقدار
مسرت کا اصول قومون اور جماعتون کی حد تک تسلیم کر لیا گیا، تو پھر ان پر کسی قسم کی شرائط عائد کرنا
اور پابندیان لگانا ناممکن ہے، جب تک کہ ایک بین الاقوامی طاقت نہ پیدا ہو جائے، جو سب کو
ان شرائط کی پابندی پر مجبور کر دے، اٹھارہوین صدی سے لیکر اس وقت تک یورپ مین جتنی لڑائیان

ہوئی ہین، ان کا حقیقی سبب اجتماعی زندگی کا یہی نصب العین تھا، ہر قوم اس بات کے لئے کوشان تھی، کہ دنیا کے بڑے بڑے زرخیز ملکون پر قابض ہوجائے، اور اپنے ملک کے لئے جتنی زیادہ منفعت ممکن ہو حاصل کرے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے تو دنیا کے غیر ترقی یافتہ ملکون کو غلام بنایا گیا، اور ان کے خون اور پسینے سے اپنی اپنی قوم کی دولت و ثروت مین اضافہ کیا گیا لیکن یہ طریقہ کار زیادہ عرصہ تک کام نہ دیسکا اور بعض قومین اس دوڑ مین پیچھے رہ گئین، نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ و جدل کی آگ بھڑک اٹھی اور دنیا کے امن کا شیرازہ پارہ پارہ ہو گیا،

فرد کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تو زیادہ سے زیادہ مسرت کے نصب العین مین کوئی جاذبیت نظر نہین آتی ہے، نہ اس نصب العین مین انسانی جد و جہد کے لئے کوئی بڑی تحریک ہے تاریخ کے صفحات ان لوگون کے تذکرہ سے خالی ہین، جن کی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی مسرت کا حصول اور لذت طلبی کی تکمیل تھی، وہ لوگ جنھون نے دنیا مین مسرت کی کثیر ترین مقدار حاصل کی، نہ اپنے زمانہ کے لوگون کا احترام حاصل کر سکے اور نہ مابعد کی زندگی پر کوئی نقش چھوڑ گئے، انھون نے زندگی کا عیش تو ضرور حاصل کیا، لیکن عظمت و بزرگی اور بقاے دوام کی نعمتون مین سے کوئی ایک نعمت بھی انھیں نہ مل سکی، دنیا نے انھیں بہت جلد بھلا دیا، اور انسانون نے ان کی یاد مین اپنے لئے کوئی فائدہ نہ پایا، اس کے برخلاف جن لوگون نے اعلی تر مقاصد کے لئے زندگی کی راحت اور دنیا کے عیش سے منہ موڑا، جنھون نے تکلیفین اٹھائین، مصیبتین سہین، اور قربانیان کین، دنیا نے آجتک انھین فراموش نہین کیا، اور تاریخ نے ان کا نام بقاے دوام کے حرف سے اپنے صفحات پر ثبت کر لیا، آج بھی جب کوئی قوم اپنے افراد مین عمل کا جوش، حرکت کا ولولہ اور ترقی کا حوصلہ پیدا کرنا چاہتی ہے، تو وہ انہی لوگون کو مثال پیش کرتی ہے، جنھون نے اپنی زندگی مسرت طلبی سے اعلی تر مقاصد کے لئے گذاری ہے، دنیا نیرو کی عیش پرستیون، لوئی چہاردہم کی رنگ رلیون اور شاہجہان کی جمال آرائیون پر صرف ایک نگاہ ڈال کر گذر جاتی ہے لیکن سقراط

کی شہادت شہیدان کربلا کی جانکنی اور عیسی علیہ السلام کی بیکسی آج بھی ایک زندہ طاقت ہی، جو افراد اور جماعتون کو سخت سے سخت آزمایش مین ثابت قدم رکھتی ہے، اور اعلی تر مقاصد کے حصول مین ان کے لئے عمل کا تازیانہ بن جاتی ہے،

روزمرہ کی زندگی مین بھی ہم اسی حقیقت کا مشاہدہ کرتے رہتے ہین، عزت و احترام کی نظرون سے صرف انہی لوگون کو دیکھا جاتا ہے، جو اپنے لطف و مسرت سے بے پروا ہو کر دوسرون کی بھلائی اور فائدہ کے لئے سرگرم کار رہتے ہین، ایک ایسے انسان کی زندگی جو صرف اپنی راحت و آرام اور لطف و مسرت کے خیال مین سرگردان ہو، ہمارے دل مین کوئی اخلاقی تحریک نہیں پیدا کرتی ہے، اس کے برخلاف ایک انصاف پسند حق گو اور راستباز انسان جو اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے طرح طرح کی مصیبتون مین گرفتار رہتا ہے، ہمارے دل مین عزت کا گھر بنا لیتا ہے، اسکی شخصیت ہمارے دل مین یہ آرزو اور حوصلہ پیدا کرتی ہے، کہ ہمین بھی وہی اخلاقی فضائل حاصل ہوجائین، جو اس شخص کو حاصل ہین، یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے، کہ نیکی اور فضیلت انسانی فطرت کے لئے ایک ایسی کشش رکھتی ہے جس سے محض مسرت طلبی کا نصب العین خالی ہے، اگر عقل کی دوربینی اور استدلال کی موشگافی کو اس مین ذرا بھی دخل ہوتا، تو انسان کبھی ایسی شخصیت سے متاثر نہ ہوتا، جس کے اخلاقی فضائل اس کے لئے مصیبتون کا بوجھ اور مخالفتون اور عداوتون کا پشتارہ بن جاتے ہین، اور زندگی مین ناکامی اور محرومی کے سوا اسکے ہاتھ اور کچھ نہین آتا ہے، عقل کی رو سے تو انسان کو انہی لوگون کو عزت و احترام کے قابل اور لائق تقلید خیال کرنا چاہئے، جن کی زندگی کا مدعا مسرت کا حصول اور جن کی کوششون کا ماحصل راحت و لذت کی زیادہ سے زیادہ مقدار ہے، پھر کیا ہے کہ ہم اپنے اندر تکالیف و مصائب، ناکامیون اور محرومیون، مخالفتون اور عداوتون کے لئے ایک بے پناہ

کشش پاتے ہین، جب کبھی ان کو ایسی شخصیت سے وابستہ پاتے ہین، جو اخلاق وفضائل کی حامل ہو، کیا یہ اس امر کی قطعی شہادت نہین ہے، کہ نیکی اور فضیلت کے لئے انسان مین ایک قدرتی وجدان ودیعت کیا گیا ہے، جو ادن کو اول نظر مین برائی سے پہچان لیتا ہے اور اسے بے اختیار نیکی کی طرف کھینچ لاتا ہے۔ افادیین اسکا یہ جواب دیتے ہین، کہ جس چیز کو نیکی اور فضیلت کہا جاتا ہے، وہ درحقیقت ایک اعلیٰ تر مسرت اور عمیق تر لذت کا نام ہے، یہ اس بات کا اقرار ہے کہ مسرت کی کئی قسمیں ہین جن مین اعلیٰ اور ادنیٰ کا امتیاز بھی کیا جاسکتا ہے، اور اس اقرار مین اس حقیقت کا اثبات بھی مضمر ہے، کہ انسانی زندگی مین ادنیٰ تر مسرتون سے اعلیٰ تر مسرتون کی طرف ایک قدرتی میلان پایا جاتا ہے اور انسان کی فلاح کے لئے ضروری ہے، کہ اس مین ادنیٰ تر مسرتون سے گریز اور اعلیٰ تر مسرتون کی طلب گاری کا جذبہ پیدا ہو جائے، یہان پر افادیت مذہب کے آگے سپر ڈال دیتی ہے، کیونکہ مذہب جس چیز کو نیکی اور فضیلت سے تعبیر کرتا ہے، وہ بھی اعلیٰ تر مسرتون کی ادنیٰ تر مسرتون پر ترجیح ہے،

یہ سوال بھی یہان پیدا ہوتا ہے، کہ افادیین کے اس نظریہ سے کیا مراد ہے، کہ تمدنی زندگی کا صحیح ترین اصول عمل زیادہ سے زیادہ تعداد کی زیادہ سے زیادہ مسرت ہے، آیا یہ وہ مسرت ہے جس کا مطالبہ انسان کی حیوانی فطرت کرتی ہے، یا اس کا مطلب وہ اعلیٰ تر مسرتین ہین جنھین مذہب نیکی اور اخلاق سے موسوم کرتا ہے، اگر موخر الذکر مسرتین مراد ہین، تو پھر یہ اس بات کا تسلیم کرنا ہوا کہ تمدنی زندگی کا صحیح ترین اصول عمل زیادہ سے زیادہ انسانون کے لئے زیادہ سے زیادہ فضیلتون اور نیکیون کا حصول ہے، پھر مذہب کو کس لئے مطعون کیا جاتا ہے، جب کہ وہ بھی تمدنی زندگی کا مقصد اسی چیز کو قرار دیتا ہے، یہ اصول عمل عقل کی رو سے بھی زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اس سے فرد وجماعت کے اغراض وعمل کا وہ اختلاف بھی مٹ جاتا ہے، جس کا تذکرہ

اوپر کیا جاچکا ہے، اور جو افادیت کے اس نظریہ سے پیدا ہوتا ہے، کہ بہترین اصول عمل زیادہ سے زیادہ انسانون کیلئے زیادہ سے زیادہ مسرت کا حصول ہے، کیونکہ ہر فرد کے لئے زیادہ سے زیادہ مسرت کی جستجو اور جماعت کیلئے زیادہ سے زیادہ مسرت کا حصول دونون ایک جگہ نہیں جمع ہوسکتے ہین، جماعت کی زیادہ سے زیادہ مسرت کے حصول کے لئے افراد کی طلب مسرت پر قیود و شرائط عائد کرنا پڑتے ہین، لیکن زیادہ سے زیادہ نیکی اور فضیلت کا حصول افراد کے لئے بھی ممکن ہے، اور جماعت کیلئے بھی، افراد اپنے اندر جس قدر فضائل اور نیکیان پیدا کرین گے اسیقدر جماعت کا عام اخلاقی معیار اور نیکی و فضیلت کی سطح بلند ہوتی جائے گی،

اس بحث کی نسبت ایک سوال اور باقی رہ جاتا ہے، اور وہ یہ کہ اس امر کا تصفیہ کس طرح کیا جائے، کہ اعلیٰ تر مسرتین کونسی ہین اور ادنیٰ تر کونسی ہین، اگر اس کا فیصلہ افراد کی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے تو ہر ایک شخص کے نزدیک اس کے مذاق طبیعت کے موافق نیکی اور فضیلت کا ایک جدا معیار ہوگا، اور تمدنی زندگی مین کوئی ایک اخلاقی معیار رائج نہ ہو سکیگا، جس کی وجہ سے عملی انتشار کا پیدا ہو جانا ضروری ہے، اگر جماعت کے چند عقلا اس امر کے مجاز بنا دئے جائین کہ وہ نیکی اور فضیلت کا مفہوم متعین کرین، اور یہ بتائین کہ ایک خاص قسم کی مسرت دوسری مسرتون سے اعلیٰ ہے یا ادنیٰ، اور اگر اعلیٰ ہے تو کس درجہ مین، تو وہ بھی اس امر کا تصفیہ اپنے قومی مزاج اور ماحول کے عطا کئے ہوئے تصورات کی بنا پر کرین گے، جو نہ عقل کے مطابق ہوگا، اور نہ انسانی فطرت کی صحیح ترجمانی کرے گا، پھر یہ بھی سوال ہے، کہ اگر اس معاملہ مین ایک جماعت کے عقلا، بالاتفاق کسی ایک فیصلہ پر پہونچ جائین، جس کا احتمال بہت کم ہے، تو کیا ان کا وضع کردہ اخلاقی معیار اقدار ساری جماعت کے لئے قابل قبول ہوگا، اس قبولیت عام کا امکان اسی وقت ہوسکتا ہے، جب جماعت مین ایسے افراد کافی

تعداد میں پیدا ہو جائیں، جو ان فضائل کو اپنے عمل سے مجسم بنا کر دکھا دیں، لیکن کسب فضیلت کی جد و جہد صرف عقلی استدلال سے نہیں پیدا کیجا سکتی ہے، عقلاء کی یہ جماعت جو اخلاق کے اقدار اور فضیلت کے میار وضع کریگی، ضروری نہیں کہ ان کو مجسم کرکے عملی زندگی میں برت بھی سکے، عقل اور ارادہ میں کوئی ضروری تعلق نہین ہے، یہ ممکن ہے کہ ہم عقل و استدلال سے صداقت کے تصور تک پہونچ جائین لیکن اس تصور کو عمل کا جامہ پہنانے کے لئے صرف عقل ہی کی مدد کافی نہین ہے، جب تک ارادہ کی طاقت اور تاثر کی قوت ہمین راہ صداقت پر نہ بڑھائے عقل کے پیدا کئے ہوے تصورات کی عملی قدر و قیمت صفر رہے گی، ذہن و فکر کی جودت اور افکار و تصورات کی ثروت کے ساتھ ارادہ کی صلاحیت وجدان صحیح کی رہبری اور تاثرات کی شدت بہت کم جمع ہوتے دیکھی گئی ہے، افلاطون نے ریاست کا ایک مثالی نظام تو پیش کر دیا، لیکن اپنی مثالی ریاست کے قیام کی طرف ایک قدم تک نہ بڑھا سکا، تصورات کی دنیا مین عقل کے لئے صداقت کا پالینا اگر ممکن بھی ہو تو اوس کو برت کر ایک زندہ حقیقت بنا دینا ممکن نہین، یہ کام اسی شخصیت کا ہو سکتا ہے، جس میں عقل و جذبات کا صحیح توازن، ارادہ و تاثر کی متناسب آمیزش اور فکر و عمل کی مساوی قوت جمع ہو گئی ہو، انسانی تاریخ کے طویل دور مین ایسی کتنی شخصیتون کا سراغ ملتا ہے؟ تعصب اور جذبات سے الگ ہو کر تاریخ کے صفحات پر نظر ڈالیجائے تو معلوم ہو گا، کہ وہ تمام شخصیتیں جن کا قول ان کے عمل سے شرمندہ نہ تھا، اور جن مین ارادہ، تاثر اور عقل و فکر کی صحیح اور متناسب ترکیب پائی جاتی تھی، وہی شخصیتیں تھین جنھون نے عقل کے بجائے وجدان پر بھروسہ کیا، فکر و استدلال کے بجائے وحی و الہام کی روشنی ڈھونڈھی اور انسان کی جگہ انسان سے بالاتر ہستی کو منتہائے نظر بنایا، یہی وہ لوگ تھے جنھیں پیغمبر کہا جاتا ہے، لیکن انھون نے زندگی کا جو نظام پیش کیا، اس کی بنیاد عقل و منطق نہ تھی، بلکہ وحی کی روشنی اور الہام کی ہدایت تھی، جو

لوگ عقل کی ہمہ بینی کے دعویدار ہین، وہ اسکی بابت کیا کہتے ہین؟

مذکورۂ بالا بحث سے مسئلہ کے ایک اور گوشہ پر بھی روشنی پڑتی ہے، اور یہ سوال ابھر آتا ہے کہ انسانی اعمال پر فکر و استدلال کی گرفت کن حدود تک محدود ہے، کیا ہمارے اعمال تمام تر منطقی استدلال اور عقلی جستجو کا نتیجہ ہوتے ہین؟ عقل پرستون کا یہ دعوی کہ انسانی زندگی اور تمدن کے تمام مسائل صرف عقل ہی کے ذریعہ تصفیہ پا سکتے ہین، اس امر کے ثبوت کا محتاج ہے، کہ انسان کے اعمال پر صرف عقل و منطق کی حکمرانی ہے، یہان بھی ایک بات بداہتہً نظر آتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ انسانی غایات و مقاصد عقل سے زیادہ مزاج و طبیعت اور ذوق و رجحانات کے غیر عقلی عوامل سے متعین ہوتے ہین، عقل کا کام صرف یہ ہے، کہ ان غایات و مقاصد کے حصول کے لئے وسائل و ذرائع کی جستجو کرے، انفرادی زندگی مین ہر شخص اپنے مخصوص مزاج اور میلان طبع کے مقتضیات سے مجبور رہتا ہے، ایک نڈر، بے خوف اور غیر مآل اندیش آدمی کو آپ لاکھ سمجھائیے کہ اپنے معاملات مین احتیاط سوچ بچار اور دور اندیشی سے کام لے، ورنہ نتائج خراب ہون گے لیکن اس کی روش مین مشکل سے کوئی فرق آئے گا، آپ اس کو خطرات راہ سے آگاہ کرین گے، اور وہ اُن کی توجیہ کچھ اس طرح کرے گا کہ اس کو خطرہ خطرہ ہی نہ معلوم ہو گا، آپ اسکے سامنے دوسرون کی ناعاقبت اندیشی کے نتائج پیش کیجئے، لیکن وہ ان نتائج کو مخصوص حالات کا معلول قرار دے گا، اور خواہ زبان سے کچھ کہے دل مین یہی یقین کرے گا، کہ اس کے عمل سے یہ مخصوص نتائج نہ پیدا ہو نگے، روزمرہ کی زندگی مین ہمین بارہا مزاج و عادت کے ان قوی اثرات کا تجربہ ہوتا ہے، ایک تنہائی پسند شخص کے سامنے آپ میل جول اور معاشرتی روابط کے قیام کی ضرورت پر کتنی ہی دل پذیر تقریر کیجئے، کتنا ہی سمجھائیے کہ تنہائی پسندی اور عزلت گزینی زندگی کی دوڑ مین اسے ناکام کر دیگی لیکن ان باتون کا اسکی طبیعت پر کوئی اثر نہ ہو گا ہر شخص اپنی زندگی کے مقاصد اپنے مزاج و طبیعت کی مناسبت

سے متعین کرتا ہے، نہ کہ عقلی استدلال اور منطقی بحث آرائی کے بعد، ہان جب ایک مرتبہ یہ مقصد ذہن
مین تشکل ہوجاتا ہے تو پھر اس کے حصول کے لئے وہ عقل سے مدد لیتا ہے، قومی اور جماعتی زندگی
کے مقاصد بھی بالکل اسی طرح متعین ہوتے ہین، قومین بھی افراد کی طرح اپنا مخصوص اخلاقی اور
عقلی مزاج رکھتی ہین، اور اسی مذاق وطبیعت کے مطابق اپنا نصب العین بناتی ہین، جو چیز کسی
قوم کے مخصوص عقلی مزاج سے میل نہین کھاتی ہے، وہ اُس قوم کے ذہنی سانچہ مین کبھی نہین سماتی
ہے، اور یہ چیز جس طرح عمل کے دائرہ مین صحیح ہے، اسی طرح فکری زندگی پر بھی منطبق ہوتی ہے، جرمن
قوم ہمیشہ سے مرکزیت پسند رہی ہے، اور اس کے مفکرین مین سے جس کسی کو لیجئے، یہی پایئے گا،
کہ وہ فرد سے زیادہ جماعت کے حقوق کا حامی ہے، اور انفرادی آزادی سے زیادہ قومی مرکزیت
کا دلدادہ ہے، کانٹ ہیگل فشٹے وغیرہ سب کے فلسفہ مین اسی ذہنیت کا عکس موجود ہے، فرانس
کے لوگ فطرۃً رومانیت پسند واقع ہوئے ہین، تخیل کی دلکشی ان کی زندگی کی روح رواں ہے،
روسو اور نپولین جنھون نے فرانسیسی قوم کے دل پر قبضہ جمایا، اور اپنے اثر سے اُن کو جرات و ہمت
کے بڑے بڑے کارنامون پر اُبھارا، ان کی شخصیت کے اعجاز اور ان کے غیر معمولی اثر و نفوذ کا
اصل راز یہ تھا کہ انھون نے اپنی قوم کے سامنے اونچے اونچے تخیلات پیش کئے، اور اپنے مقاصد
وافکار کو ایسی دل آویزی عطا کی، کہ ان کی پوری قوم ان کے ساتھ ہوگئی، انگریزی قوم اپنی
عملی صلاحیتون کے لئے ممتاز ہے، اس کی پوری فکری تاریخ دیکھ جایئے، آپ کو معلوم ہوجائیگا
کہ انگلستان کی سرزمین نے جتنے مفکرین پیدا کئے، ان کی فکر و نظر کا موضوع اکثر و بیشتر حقیقی
زندگی کا کوئی مسئلہ یا اُس سے قریبی تعلق رکھنے والا کوئی خیال تھا،

تمدن کے جو مظاہر اور معاشرتی زندگی کی ساری دل آویزیان، انسانی خواہشات جذبات
اور طبائع کی تحریکی قوتون کی محتاج ہین، اگر بھوک کی تڑپ نہ ہوتی تو معاشی زندگی کا یہ

پیچیدہ نظام کہین نظر تک نہ آتا، محض عقل انسان کو غذا کی فراہمی پر نہ ابھار سکتی، ہماری زراعت،
ہمارا کاروبار، ہمارے بازار اور منڈیان عقل سے زیادہ انسان کی اس لابدی اور ابتدائی اشتہا
کی مرہونِ منت ہین، بھوک نے غذا کا مطالبہ کیا تب حضرت انسان نے عقل دوڑانا شروع
کی، اور اس تقاضے کی تکمیل کے لئے اپنی عقل و سمجھ سے کام لیا، زیب و زینت کا ذوق اور حسن
وجمال کی طلب اگر انسان مین ودیعت نہ کی گئی ہوتی، تو ہماری دنیا حسن و زیبایش سے عاری
اور زینت وجمال سے محروم رہتی، فنونِ لطیفہ کی ساری بارکیان جن کی دریافت کا سہرا عقل
کے سر باندھا جاتا ہے، حقیقۃً انسان کے اسی فطری ذوق نے پیدا کی ہین، معاشرتی زندگی
کا پورا ڈھانچہ انسانی میلانات کا قدرتی نتیجہ ہے، اگر ہمدردی محبت اور جنسی خواہشات کے
فطری عوامل کام نہ کرتے، تو معاشرت کی بنیاد نہ پڑتی، اور سیاسی زندگی وجود مین آتی،
غرضکہ انسانی زندگی کے جس گوشہ پر نظر ڈالئے ناممکن ہے، کہ فطری میلانات کی تحریک اور
مزاج وطبیعت کے اثرات کی کارفرمائی سے آنکھین دوچار نہ ہون، آپ اس حقیقت کو
نظر انداز کر دین، کہ عقل جذبات کی تابع اور میلانات کی محکوم ہے، فطرت نے اپنے بہتر تقاضے
کے ساتھ انسان کو عقل ایک مددگار کے طور پر عطا کی ہے، لیکن جب اس مددگار کو اسکی
اصلی حیثیت سے بلند کر کے حکمرانی کے تخت اور فرمانروائی کی مسند پر بٹھا دیا جاتا ہے، تو یہی
مددگار بے شمار و لاتعداد فتنون کا موجب ہوجاتا ہے، اور زندگی کی گتھی سلجھنے کے بجائے
اور الجھ جاتی ہے، مغربی تمدن نے عقل کو اپنے اوپر حکمران بنا لیا، اور اسکی اصلی حیثیت
سے ہٹا کر اس سے دوسرا کام لینا چاہا، نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی انسان خود عقل کا محکوم ہوگیا، اور اسکی
انسانیت جس کو عقل و جذبات اور فکر و خیال کی تمام قوتون پر غالب و مقتدر رہنا چاہئے تھا،
اس غلط حکمرانی کے بوجھ سے بالکل دب گئی، اور اب اُبھرنا چاہتی ہے، تو نہیں اُبھر سکتی ہے،

انسانی تاریخ کے بڑے بڑے کارنامون پر نظر ڈالئے، یا علم وحکمت کی اعلیٰ ترین فتوحات پر غور کیجئے، ہر جگہ جذبات ومیلانات کی قوت کو عقلی قوتون پر غالب پائیے گا، نیوٹن گلیلیو، مارکس اور روسو اور اسی طرح کے صدہا اکابر جنھون نے اپنے وقت کے علمی نظریون کو توڑ پھوڑ کر بالکل جدید نظریات ترتیب دیئے، انہی فطری میلانات کی پیداوار تھے، ان کی فکری قوتیں کس طرح بروے کار آئین، کونسا محرک تھا جس نے ان کی عنانِ فکر ایک خاص جانب موڑ دی، اور ان کے ذہن ونظر اور عقل وفکر کو آلہ کار بنا کر اہم مقاصد کی تکمیل میں اُن سے کام لیا، نیوٹن اور گلیلیو کے ذہن نے علمی دنیا مین جو انقلابات برپا کئے، وہ ممکن نہ ہوتے، اگر منزلِ حقیقت تک وہ مجنونون اور بے خودون کی طرح نہ بڑھتے، یا صداقت کی سچی طلب انکے قوی ذہن کو حرکت نہ دیتی، انکو حقیقت کی جستجو کا سودا تھا، منزلِ صداقت پر پہونچنے کی تمنا تھی اور رموزِ فطرت کی پردہ کشائی کا پیدائشی ذوق تھا، اگر ذوق وطلب کی یہ چنگاری انکی فطرت کو اسطرح بیتاب نہ رکھتی تو محض انکے ذہن کی تو تین منزلِ حقیقت کی سراغرسانی نہ کرسکتین، اور دنیا کے وہ بڑے بڑے انکشافات جنھون نے زندگی کا نقشہ بدل دیا، فطرت کی گہرائیون مین مستور رہتے، پھر کیا اس سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ یہ ذوق وطلب اور یہ فلک پیما حوصلے جنھون نے ان کی عقل کو ایک خاص جانب کھینچا، اور ان مین کامیابی کی راہ دکھائی، عقل وفہم اور منطق واستدلال سے بالاتر ان کی ذہنی زندگی کی تشکیل کر رہے تھے، اگر عقل ہی ان کی زندگی کا واحد جوہر ہوتی، تو یہ کامیابیان ہرگز عمل مین نہ آتین، روسو کے ذہنی ارتقا مین کونسے موثرات کارفرما تھے، اسکی فطرت بے تاب اسکی رومان پسندی اور تخیل پرستی، اس کی زندگی کے تلخ تجربات کیا یہ غیر عقلی عناصر اس کے عقلی کارنامون کے لئے فیصلہ کن اثرات نہیں رکھتے تھے، اگر مارکس ایک حساس طبیعت نہ رکھتا ہوتا، اگر مزدورون اور غریبون کے لئے وہ ہمدردی اور محبت کے داعیات سے خالی ہوتا، تو کیا تاریخ کی مادی تعبیر کا کہین وجود ہوتا،

یہ تو ذہن ونظر کی دنیا کا حال ہوا، عملی دنیا مین یہ غیر عقلی قوتین اور زیادہ نمایان طور سے کارفرما نظر آتی ہین، تاریخ کی بڑی بڑی لڑائیان، بادشاہون کی عظیم الشان فتوحات سب کی سب زندگی کے غیر عقلی عناصر کی قوتون کا ظہور تھین، کیا سکندر کے جنگی اقدامات کا محرک مادی منفعت کا خیال تھا یا اسکی فتوحات کے پسِ پشت کسی خاص فلسفہ زندگی اور نظامِ تمدن کی برتری کا تصور تھا، جس کو وہ اپنی مفتوحہ دنیا مین پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتا تھا، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اسکے تمام فوجی کارنامے ایک کورانہ قوت کا نتیجہ تھے، جسے چاہے اولوالعزمی کہہ لیجئے، چاہے حوصلہ مندی کے نام سے پکارئے اور چاہے حکومت پسندی کے لقب سے یاد کیجئے، سکندر نے اپنے مقاصد اور ارادے عقل کے مشورے سے نہیں متعین کئے تھے، بلکہ فطری میلانات، افتادِ طبع، قومی اور خاندانی مزاج اس کے فیصلون کے ذمہ دار تھے، البتہ جب یہ ارادے ایک مرتبہ شعور کی سطح پر آگئے، اس وقت عقل نے ان کی تکمیل مین ضرور مدد دی،

یورپ میں اس وقت جو جنگ برپا ہے، اس کے پوشیدہ اسباب کا علم بھی اس نقطۂ نظر کی تصدیق کرتا ہے، اگر قومین اور جماعتین صرف عقل واستدلال سے کام لیا کرتین، اگر افراد کی عملی روش صرف منطق کی پابند ہوتی، تو یہ جنگ کبھی نہ ہوتی، علاوہ اور محرکات کے جو اس جنگ کا باعث ہوئے، ہٹلر اور جرمن قوم کا جذبۂ انتقام بھی اس کا بڑا سبب ہے، معاہدۂ وارسائی جرمنون کی نظرون مین ہمیشہ کھٹکتا رہا، اور وہ شروع سے اُس دن کے منتظر تھے، جب وہ اپنی پیشانی سے اس کے داغ کو مٹا دین، ظاہر ہے کہ یہ انتقامی جذبہ عقل وفہم کے صلاح ومشورہ کا پابند نہ تھا اور یون بھی دیکھئے تو ہٹلر نے معاہدۂ میونخ تک جو کچھ علاقہ حاصل کیا تھا، وہ جرمن قوم کی ضروریات کے لئے اتنا کافی تھا کہ اگر اس کے فطری وسائلِ دولت کو ترقی دی جاتی، تو جرمن قوم ایک خوشحال قوم ہوتی، جنگ کی غارت گریون اور تباہ کاریون کے بعد اگر

جرمنوں کو کچھ حاصل بھی ہو گیا، تو اس کا وزن یقیناً اُس فارغ البالی اور خوش حالی کے مقابلہ مین بہت کم ہو گا، جو اس مال و دولت محنت و توجہ اور ایثار و قربانی سے حاصل ہو سکتا ہے، جو اس وقت جنگ میں لگائی جا رہی ہے، اگر یہ خیال غلط بھی ہو، اور ہٹلر کی کامیابی جرمنوں کو اس سے زیادہ وسائل دولت پر قابو عطا کرے، جس کا کہ امن کی حالت میں خیال کیا جا سکتا ہے، تب بھی جنگ کے نامعلوم خطرات اس کا غیر یقینی نتیجہ، اور شکست کی حالت مین جرمنی کو جس تباہی اور بربادی سے دوچار ہونا پڑے گا، یہ چیزیں ایسی نہتین جو ہٹلر کا ہاتھ روک نہ لیتین، اگر جذبات کی کشش مزاج و طبیعت کی تحریک اور فطری ذوق و رجحانات کی قوت اسکو جنگ کی طرف کھینچ نہ لیجاتی، ہٹلر کے اقدامات مین جہان مادی منفعت کا خیال کام کر رہا ہے، وہان اس کے شخصی حوصلے اس کا اور اسکی قوم کا احساس تفوق فتح مندی کی طلب اور جرمنوں کی فطری جنگ جوئی بھی فیصلہ کن عناصر کی حیثیت رکھتے ہین، غرضکہ زندگی کے جس گوشہ مین دیکھئے، اس نتیجہ پر پہنچنا پڑے گا، کہ افراد اور جماعتیں جتنے بڑے بڑے کام انجام دیتی ہین، ان کے پس پشت جذبات کی قوت اور فطری میلانات کا تقاضا کام کرتا رہتا ہے، جو چیز انسان کو کسی خاص عمل پر ابھارتی ہے، وہ اسکی سرد مزاج عقل نہین، بلکہ اسکے گرم رو جذبات ہوتے ہین پھر جب ایک مرتبہ اُس کا ارادہ صورت پذیر ہو جاتا ہے اس وقت وہ عقل کی امداد و اعانت طلب کرتا ہے، مقاصد کی تکمیل کے لئے وسائل مہیا کرنا، مختلف راستے بنانا اور ذرائع فراہم کرنا یہ ہے عقل کا اصلی مقام، مقاصد اور اصول عمل کا تعین عقل کے بس کی بات نہین ہے، اس کا تعلق جذبات سے ہے، مزاج سے ہے اور میلان طبع سے ہے،

تمدنی زندگی کا ایک بڑا بنیادی سوال یہ بھی ہے کہ انسانی جذبات کو کس طرح قابو مین لایا جائے، تاکہ وہ متعین مقاصد کا ساتھ دے سکین، اور ان کا غلط استعمال نہ کیا جا سکے، جذبات فطری ہین اور انھیں مٹایا نہیں جا سکتا ہے، کیونکہ ہر جذبہ خاص خاص اغراض کی تکمیل کے لئے انسان مین ودیعت

کیا گیا ہے، مگر مشکل یہ آن پڑتی ہے، کہ انسان جذبات کا صحیح استعمال نہیں کر سکتا ہے، اس کی عقل اس معاملہ مین بالکل بے دست و پا ہے، کیونکہ اسکی حیثیت جیسا کہ کہا جا چکا ہے، ایک مددگار کی ہی جہان جذبات اور عقل مین کشاکش شروع ہوتی ہے عقل کو شکست کھانی پڑتی ہے، کیونکہ وہ بہرحال جذبات کی ماتحت ہے، جذبات کا مقابلہ جذبات ہی سے ہو سکتا ہے عقل سے نہیں، اور یہی اس مسئلہ کا صحیح حل ہے، اس کا ثبوت بھی ہمین روزانہ زندگی میں ملتا ہے، انسان فطرةً راحت پسند ہے اگر اس کو اسی حال مین چھوڑ دیا جائے، تو وہ سعی و کوشش سے صرف اپنے لئے وسائل زندگی مہیا کر لینے پر اکتفا کرے گا، لیکن فطرت نے اسکی راحت پسندی کو قابو مین رکھنے کے لئے اس مین بعض اور جذبات بھی پیدا کر دئیے ہین، اولاد کی محبت عزیزون رشتہ دارون اور خاندان سے وابستگی یہ اور ایسے ہی جذبات اوس کو محنت و مشقت پر آمادہ کرتے ہیں، اور اسکی فطری راحت پسندی کو دبا دیتے ہین جہان موخر الذکر جذبات کمزور ہو جاتے ہین، وہان انسان خود غرض نفس پرست، بلکہ خود پرست ہو جاتا ہے، اسی طرح سے دشمنی اور حسد ایسے جذبات ہین، کہ جس پر طاری ہوتے ہین، وہ اپنے مخالف کو ہر طرح سے نقصان پہنچانے پر آمادہ رہتا ہے، فطرت نے اس جذبہ کی تصحیح کی غرض سے انسان مین خوف کا جذبہ پیدا کر دیا ہے، تاکہ اول الذکر جذبات اسکو بالکل بے قابو نہ کر دین، اگر سوسائٹی کا خوف، حکومت کا خوف یا انتقام کا خوف دشمنی اور حسد کے جذبات کو دبا نہ دے، تو انسان معلوم نہین کیا سے کیا کر گذرے، لیکن متعدد اور مخالف جذبات کا باہمی عمل اور رد عمل اُسی وقت جذباتی زندگی مین نظم و ترتیب پیدا کر سکتا ہے، اور جذبات کو اعلیٰ مقاصد کا خادم بنا سکتا ہے، جب انسانی نفس پر ایک قوی تر جذبہ کا قبضہ ہو جائے، جو دوسرے تمام جذبات کو اپنا آلۂ کار بنا لے، جذباتی نظام مین ایک مرکزی فرمانروا کی ضرورت ہے جو احساسات و جذبات کے کارخانہ پر اقتدار کلی رکھتا ہو اور اس کارخانہ کے مختلف المزاج کارندون پر نگرانی قائم کرے اور انکے حدود عمل اور حقوق و فرائض اسطرح متعین کر دے کہ انمین بیگانگی و تصادم کے بجائے اشتراک عمل اور ہم آہنگی پیدا

ہو جائے، یہ مرکزی فرمانروا ایک ایسا جذبہ ہی ہو سکتا ہے، جو سب سے بالاتر سب سے قوی اور سب پر حاوی ہو، لیکن ساتھ ہی دوسرے جذبات کی طرح بینائی اور بصیرت سے محروم نہ ہو، بلکہ عقل اور علم کے صفات کا بھی حامل ہو، زندگی کا کوئی نظام جو محض فکر و تعقل کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہو اس ہمہ صفت جذبہ کی تخلیق نہیں کر سکتا ہے کیونکہ عقل اسے پیدا کرنے سے قاصر ہے، اسکا تعلق انسان کے وجدان سے ہے، جو فہم و فکر کی رسائی سے ماوری ہے، اسی جذبہ کا نام مذہبیت ہے، جو اسوقت بیدار ہوتی ہے جب انسانی ذہن میں خدا کا صحیح تصور قائم ہو جائے، اور انسان اس تصور کا صرف ادراک ہی نہ کرے، بلکہ یہ تصور اُسکے ذہن و خیال کے ہر گوشہ اور ہر دریچہ پر ایسا ہمہ گیر تسلط حاصل کرے، کہ اس کے ہر ارادہ اور ہر فعل کو متاثر کرنے لگے،

مذہبیت کا جذبہ اور مذہبی احساس ہی وہ حاکم علی الاطلاق ہے، جو جذباتی زندگی میں نظم و ترتیب پیدا کرتا ہے، اور اسے انتشار سے محفوظ رکھتا ہے، پھر جس طرح ہر انسانی جذبہ کا ایک معروض ہوتا ہے اس جذبہ کا بھی ایک معروض ہے، جو خود اس جذبہ کی طرح سب سے قوی، سب سے بالاتر اور سب سے ہمہ گیر ہے، یہ معروض ذات باری ہے جس میں علم ارادہ اور تاثر تینوں صفات بیک وقت اپنی پوری پہنائی و وسعت اور عمق کیساتھ موجود ہیں، جذبۂ مذہبیت کی صحت بھی اس کے معروض کے صحیح تصور پر موقوف ہے، اور جس طرح اس جذبہ کا معروض علم ارادہ اور تاثر کے صفات سے متصف ہے اسی طرح اس جذبہ میں بھی یہ تینوں کیفیتیں موجود ہوتی ہیں، جو اسے دوسرے جذبات سے ممتاز کرتی ہیں، اگر کسی وجہ سے جذبۂ مذہبیت کے معروض کا صحیح تصور قائم نہ ہو، تو یہ خود یہ جذبہ بھی غلط راستہ اختیار کر لیتا ہے، اور انسانی زندگی کے لئے موجب فساد ہو جاتا ہے، مذہب کی جتنی گمراہیاں ہیں، وہ اسی معروض کے غلط تصور کا نتیجہ ہیں انسانی زندگی کی فلاح و صلاح کلیتہً اس امر پر منحصر ہے، کہ انسان کے ذہن میں خدا کا صحیح تصور پیدا ہو جائے۔

امام رازی اور انکی تصنیفات

از

مولانا عبد السلام ندوی

امام رازی کی تصنیفات میں اگرچہ عام طور پر چند کتابیں زیادہ تر مشہور ہیں، لیکن انھوں نے اپنی عمر کا تمام تر حصہ تصنیف و تالیف میں صرف کیا اور ہر علم اور ہر فن میں کتابیں لکھیں، تاریخوں اور تذکروں میں صرف ان کی تصنیفات کے نام گنا دیئے ہیں، اور ان کی خصوصیات کی طرف اجمالی اشارات کر دیئے ہیں لیکن آج تک کسی نے اونکی تصنیفات کی تمام خصوصیات پر تفصیلی تبصرہ نہیں کیا، بالخصوص اردو زبان میں اس موضوع پر اب تک کچھ نہیں لکھا گیا، اسلئے میں انکی تصنیفات پر ایک مفصل تبصرہ لکھتا ہوں، جس سے ظاہر ہوگا، کہ امام صاحب کے زمانہ تک علوم و فنون کا جو سرمایہ جمع ہو گیا تھا، امام صاحب نے اپنی تصنیفات میں ان کا عطر کھینچ لیا ہے اور اپنی ذہانت طباعی، بالخصوص اپنے صاف اور واضح طرز تحریر سے ان کو نہایت عام فہم اور دلپذیر بنا دیا ہے،

مسلمانوں میں اور بھی بہت سے علماء کثیر التصنیف گذرے ہیں لیکن اس قدر گوناگون علوم پر کسی نے کتابیں نہیں لکھیں، تصنیفات کی کثرت اور ان کے موضوع کے تنوع کے ساتھ امام صاحب کی متعدد تصنیفات کئی کئی جلدوں میں ہیں، مثلاً تفسیر کبیر کی نسبت قفطی نے اخبار الحکماء میں لکھا ہے کہ وہ باریک خط میں ۱۲ جلدوں میں ہے، امام غزالی کی وجیز کی شرح اگرچہ

صرف عبادات اور نکاح تک لکھی ہے، تاہم وہ تین جلدون مین ہے، اسی طرح کتاب الطریقۃ العلائیہ ۴ جلدون مین، نہایۃ العقول ۲ جلدون مین، مطالب عالیہ ۳ جلدون مین، مباحث مشرقیہ ۲ جلدون مین ہے، اسکی وجہ یہ ہے، کہ امام صاحب جس موضوع پر لکھتے ہین، اس مین نہایت شرح وبسط سے کام لیتے ہین، اوران سے پہلے اوس موضوع پر جو کچھ لکھا جا چکا ہے، ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیتے ہین، اس لئے لازمی طور پر ان کی تصنیفات اور ان تصنیفات کے طریقۂ بیان مین طوالت پیدا ہو جاتی ہے، اسی بنا پر لوگون نے ان کی کتابون کے نہایت کثرت سے خلاصے لکھے ہین،

افسوس ہو کہ امام صاحب کی بہت سی کتابین ناکمل رہین، تفسیر کبیر، شرح وجیز، شرح مفصل زمخشری، شرح سقط الزند، شرح نہج البلاغۃ، مطالب عالیہ، جامع کبیر، شرح کلیات قانون، کتاب التشریح، کتاب ابطال القیاس کے متعلق طبقات الاطباء وغیرہ مین لکھا ہی کہ امام صاحب نے ان کتابون کو ناکمل چھوڑ دیا، لیکن ان کتابون کے ناکمل چھوڑنے کے وجوہ و اسباب نہین معلوم ہوتے،

امام صاحب کے تعلقات چونکہ ہمیشہ امراء وسلاطین کے ساتھ رہے، اسلئے انھون نے متعدد کتابین امراء وسلاطین کے لئے لکھین، یا ان کی خدمت مین بھیجین، اوران سے صلے حاصل کئے، مثلاً اساس التقدیس، سلطان ابو بکر بن ایوب کے لئے لکھی، اوراوس نے اسکے صلہ مین امام صاحب کی خدمت مین ہزار دینار بھیجے، خود اس کتاب کے دیباچہ مین لکھتے ہین، کہ مین اگرچہ اقصاے بلادِ مشرق مین رہتا ہون، لیکن مین نے سُنا ہے، کہ اہلِ مشرق اور اہلِ مغرب کا اس پر اتفاق ہے، کہ سلطان ابو بکر بن ایوب حمایتِ دین مین تمام بادشاہون سے افضل واکمل ہے، اسلئے مین نے چاہا کہ ایک پسندیدہ ہدیہ اسکی خدمت مین بھیجون، اوراس غرض سے باوجود بُعدِ مکان

کے مین نے اس کتاب کو جسکا نام مین نے اساس التقدیس رکھا ہی اسکی خدمت مین ہدیۃً بھیجا، الاحکام العلائیہ فی الاعلام السماویہ کو انھون نے سلطان علاؤالدین محمد بن خوارزمشاہ کیلئے لکھا اور مباحث مشرقیہ لکھی تو اسکو وزیر قوام الدین ابو المعالی سہیل بن العزیز المستوفی کی کتبخانہ مین ہدیۃً بھیجا، چنانچہ اس کتاب کے دیباچہ مین خود اسکا ذکر کیا ہی اوراس وزیر کی بڑی مدح وستایش کی ہے، لطائف الغیاثیہ کے متعلق اگرچہ تذکرون مین کوئی تصریح نہین ہے، تاہم اوس کے نام سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ وہ سلطان غیاث الدین کے لئے لکھی گئی ہے، لیکن ان کی تصنیفات کا مقصد محض تقربِ سلطانی وحصولِ جاہ ومال نہ تھا، بلکہ صرف دینی اور علمی خدمت مقصود تھی، اس لئے متعدد کتابین انھون نے اہل علم کے لئے بھی لکھین، مثلاً رسالۃ الکمالیہ کو کمال الدین محمد بن میکائیل کے لئے لکھا، کلیات قانون کی شرح حکیم ثقۃ الدین عبد الرحمن بن عبد الکریم السرخسی کے لئے کی، اور اربعین فی اصول الدین کو اپنے فرزند اکبر محمد کے لئے لکھا، اوراسکی وجہ دیباچہ مین یہ بیان کی، کہ

"جب مین بہ توفیقِ ایزدی اکثر علوم دینیہ اور مباحثِ یقینیہ مین بہت سی ایسی کتابین، جو دلائل وبراہین کے اثبات اور شکوک وشبہات کے جوابات پر مشتمل تھین لکھ چکا، تو مین نے اس کتاب کو اپنے فرزندِ اکبر محمد کے لئے اس غرض سے لکھا کہ اوس مین مسائلِ الٰہیہ کی شرح کرون تاکہ یہ کتاب اس کے لئے ایک دستور العمل ہو جس کی طرف وہ مشکلات مین رجوع کرے، اوراس پر اعتماد کرے،

امام صاحب کی تصنیفات کے ذکر مین ان تصنیفات کے ماخذ کا پتہ چلانا نہایت اہم اور دلچسپ کام ہے، امام صاحب کے زمانہ سے پہلے اگرچہ متاخرین کا دور شروع ہو چکا تھا، اور اون کی تصنیفات دنیاے اسلام مین پھیل چکی تھین، تاہم قدماء کی تصنیفات کا تمام ذخیرہ مفقود نہین ہو چکا تھا، اسلئے امام صاحب نے قدماء ومتاخرین دونوں کی کتابون سے فائدہ اٹھایا، اور دونون کے خیالات مین آمیزش پیدا کی، چنانچہ قفطی نے اخبار الحکماء مین ان کی نسبت لکھا ہے،

وکان علمه محتفظاً من تصانیف

ان کا علم قدماء ومتاخرین کی تصنیفات

المتقدمین والمتاخرین [1] سے ماخوذ تھا،

امام صاحب کی تصنیفات مختلف علوم و فنون مین ہین، اور ہر علم کی کتابون مین انھون نے ان لوگون کے خیالات و مسائل سے فائدہ اٹھایا، جو ان کے دور سے پہلے اوس علم مین خاص طور پر امتیاز رکھتے تھے، مثلاً فلسفہ و حکمت مین انھون نے بو علی سینا اور فارابی کی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا، چنانچہ قفطی نے ان کے حالات مین لکھا ہے، کہ انھون نے خراسان مین جاکر بو علی سینا اور فارابی کی تصنیفات سے واقفیت حاصل کی، اور ان سے ان کے علم مین بہت زیادہ اضافہ ہوا، [2] ابوالبرکات بغدادی کی کتاب المعتبر سے بھی انھون نے خاص طور پر فائدہ اٹھایا ہے، اور جابجا اپنی فلسفیانہ تصنیفات مین اس کا حوالہ دیا ہے، بلکہ شہرزوری کی تصریح کے مطابق امام صاحب نے حکماء پر جو اعتراضات کئے ہین، اکثر ابوالبرکات بغدادی ہی سے ماخوذ ہین، [3] فن تفسیر مین عام مفسرین کی تفسیرون کے ساتھ خاص خاص عقلی مسائل مین انھون نے ابو مسلم اصفہانی المتوفی ۳۲۲ھ، ابو القاسم بلخی المتوفی ۳۰۹ھ، ابوبکر اصم اور قفال المتوفی ۳۶۵ھ کی تفسیرون سے فائدہ اٹھایا ہے، اور یہ سب اگرچہ معتزلی ہین جنکو امام صاحب نے خاص طور پر معرکہ آرائی کیلئے منتخب کیا ہے، تاہم بعض موقعون پر نہایت بے تعصبی کے ساتھ ان کی تعریف کی ہے، مثلاً ایک آیت کی تفسیر کے متعلق ابو مسلم کا قول نقل کرکے لکھتے ہین،

وهذا القول عندی حسن معقول وابومسلم حسن الكلام فی التفسیر كثیر الغوص علی الدقائق واللطائف [4]	میرے نزدیک یہ قول عمدہ اور معقول ہے اور ابومسلم کا کلام تفسیر مین عمدہ ہوتا ہے اور وہ تہ مین ڈوب کر خوب خوب لطائف و دقائق نکالتا ہے،

۱؎ اخبار الحکماء قفطی صفحہ ۱۹۱ ۲؎ اخبار الحکماء قفطی ص ۱۹۰ ۳؎ تاریخ الحکماء شہرزوری قلمی ص ۱۴۸، ۴؎ تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۰،

قفال کی نسبت ایک موقع پر لکھتے ہین،

واعلم ان القفال رحمه الله كان حسن الكلام فی التفسیر دقیق النظر فی تاویلات الالفاظ الا انه كان عظیم المبالغة فی تقریر مذهب المعتزلة [1]	جاننا چاہئے کہ قفال رحمہ اللہ کا کلام تفسیر مین نہایت اچھا ہوتا ہے، اور وہ الفاظ کی تاویلات مین نہایت دقیق النظر تھے، البتہ وہ معتزلہ کے مذہب کے اثبات مین بہت زیادہ مبالغہ کرتے تھے،

ان کی تفسیر کا عقلی حصہ جو تطبیق معقول و منقول سے تعلق رکھتا ہے، وہ حکماے اسلام کی تصنیفات سے ماخوذ ہے، چنانچہ اس تفسیر مین جابجا اون کے اقوال نقل کرتے ہین، مثلاً:-

وللحكماء فی تفسیر هذه الآیة كلام عجیب مفرع علی اصولهم [2]	اس آیت کی تفسیر مین حکماء نے ایک عجیب بات کہی ہے، جو ان کے اصول پر متفرع ہے،
والقول الثانی فی تفسیر هذه الآیة قول اصحاب النظر وارباب المعقولات [3]	اس آیت کی تفسیر مین دوسرا قول اصحاب النظر اور ارباب المعقولات کا ہے،
احتج حكماء الاسلام بهذه الآیة علی ان العذاب الروحانی اشد واقوی من العذاب الجسمانی [4]	حکماے اسلام نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے، کہ عذاب روحانی عذاب جسمانی سے زیادہ قوی اور سخت ہے،

۱؎ تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۹ ۲؎ تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۸۰ ۳؎ تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۲۶۰ ۴؎ تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۱۶۹،

اسی طرح تفسیر کبیر مین اور بھی بہت سے موقعون پر ان حکما رکے اقوال نقل کئے ہین، اور بعض موقعون پر صاف صاف تصریح کر دی ہے، کہ ان اقوال کے نقل کرنے سے معقول و منقول مین تطبیق دینا مقصود ہے، چنانچہ قیامت کے حساب وکتاب کے متعلق حکمائے اسلام کی رائے نقل کرکے لکھتے ہین،

فهذه اقوال ذكرت في تطبيق الحكمة النبوية على الحكمة الفلسفية [۱]	یہ وہ اقوال ہین جو حکمتِ فلسفیہ کے ساتھ حکمتِ نبویہ کی تطبیق دینے کے متعلق بیان کئے گئے ہین،

لیکن امام صاحب نے کسی موقع پر نہ ان حکما رکا نام بتایا ہے، نہ انکی کسی تصنیف کا حوالہ دیا ہے، اس بنا پر ہم یقین کے ساتھ نہین بتا سکتے، کہ امام صاحب نے اپنی تفسیر مین کن کن حکمائے کے خیالات سے فائدہ اٹھایا ہے، البتہ شہرزوری نے اس قسم کے جن حکما رکا تذکرہ کیا ہے، اون کے نام حسب ذیل ہین:-

یعقوب کندی،	اس نے اپنی بعض تصنیفات مین شریعت اور فلسفہ مین تطبیق دی ہے [۲]
ابو زید بلخی،	حکمائے اسلام مین تھا، اور اوس نے ایک کتاب مین جس کا نام کتاب الابانۃ عن الدیانۃ ہے، شریعت کے اوامر و نواہی کے اسرار و حکم بیان کئے ہین [۳]
ابوالقاسم حسن بن فضل الراغب،	حکمائے اسلام مین تھا، اور اپنی تصنیفات مین شریعت اور حکمت کے درمیان تطبیق دیتا تھا [۱]
عبدالکریم شہرستانی،	اوس نے ایک تفسیر لکھی تھی جس مین فلسفیانہ اصول کے مطابق قرآن مجید کی آیتون کی تاویل کی تھی [۲]

[۱] تفسیر کبیر جلد ۸ ص ۹۰، [۲] تاریخ الحکما، شہرزوری قلمی ص ۵۳، [۳] ص ۱۲۲

اور امام صاحب نے غالباً تطبیق معقول و منقول مین انہی حکما رکی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا ہوگا، امام صاحب کے زمانہ سے پہلے مجلس اخوان الصفا کے ممبرون نے بھی شریعت و حکمت کی تطبیق مین ۵۱ رسالے لکھے تھے جو رسائل اخوان الصفا کے نام سے مشہور ہین، لیکن خود امام صاحب نے تفسیر کبیر بلکہ اپنی دوسری تصنیفات مین بھی ان رسائل کا کہین تذکرہ نہیں کیا ہے، اسلئے ہم نہین کہہ سکتے، کہ امام صاحب نے اس مقصد مین ان رسائل سے فائدہ اٹھایا ہے یا نہین؟

البتہ مولانا حمید الدین صاحب مرحوم کی یہ خاص عادت تھی، کہ جب کسی کتاب کا مطالعہ کرتے تھے، تو اثنائے مطالعہ مین جو خیالات پیدا ہوتے تھے، ان کو کتاب کے حاشیہ پر لکھدیتے تھے، اسی عادت کے موافق سفینۂ راغب پاشا مین نبوت کے متعلق امام صاحب کی جو عبارت کئی صفحون میں مطالب عالیہ سے نقل کی ہے، اوس کے حاشیہ مین مولانا مرحوم نے لکھا ہے کہ یہ تمام بحث رسائل اخوان الصفا رسے ماخوذ ہے، اور صاحب مطالب عالیہ ان رسائل سے بہت زیادہ اخذ کرتا ہے، اور جو شخص اوسکی تفسیر کبیر کو غور سے پڑھے گا، اوس کو معلوم ہو جائیگا کہ وہ اخوان الصفا رکی رایون کی طرف بہت زیادہ میلان رکھتا ہے، لیکن وہ اس کا اخفا کرتا ہے، اس لئے ناواقف شخص اس کو سنی اشعری خیال کرتا ہے [۳] لیکن ہم نے خود رسائل اخوان الصفا رکو دیکھا، تو ہم کو اس میں یہ بحث کہیں نظر نہیں آئی، تاہم امام صاحب کا یہ خاص اصول ہے کہ

[۱] تاریخ الحکما، شہرزوری قلمی ص ۴۴ [۲] ص ۵۹ [۳] سفینۂ راغب پاشا ص ۲۵۸،

متاعِ خوش ز ہر دکاں کہ باشد

اس بناپر اگر تفسیر کبیر مین انھون نے رسائل اخوان الصفا سے مضامین اخذ کئے ہین، اور عوام کی بدگمانی کے خیال سے ان کا اخفا کیا ہے، تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہین، البتہ حکماے اسلام مین امام صاحب نے تفسیر کبیر کے مختلف مباحث مین امام غزالی کی تصنیفات سے خاص طور پر فائدہ اوٹھایا ہے، اور جابجا ان کے نام کی تصریح کی ہے، مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ مین جہان ستارے، چاند اور سورج کے ڈوبنے کا ذکر آیا ہے، اسکی تفسیر مین لکھتے ہین، کہ امام غزالی نے اپنی بعض کتابون مین فلسفیانہ روش اختیار کی ہے، اور کوکب کے لفظ کو ہر ستارے کی نفس ناطقہ حیوانی پر، اور چاند کو ہر آسمان کی نفس ناطقہ پر، اور سورج کو ان سب کی عقل مجرد پر محمول کیا ہے، اور ابو علی بن سینا افول کے لفظ کی تفسیر امکان سے کرتا تھا، اسلئے امام غزالی کے خیال مین ان سب کے افول سے اون کا امکان ذاتی مراد ہے، اور ان کا خیال ہے کہ خداوند تعالی کے قول لا احب الآفلین سے مراد یہ ہے کہ یہ تمام چیزین بذات خود ممکن ہین، اور ہر ممکن کے لئے ایک موثر کی ضرورت ہے، جسکی انتہا واجب الوجود کی طرف ہونی چاہئے، اگرچہ اس کلام مین کوئی مضائقہ نہین لیکن آیت کے لفظ کا اس پر محمول کرنا بعید ہے،[1]

ایک موقع پر نبوت کی بحث میں لکھتے ہین، کہ "مین نے شیخ ابو حامد غزالی کے کلام مین ایک عمدہ بحث دیکھی جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ انسان یا ناقص ہوگا یا کامل، یا نقصان و کمال دونون سے خالی ہوگا، پھر ناقص بذاتِ خود اگر ناقص ہے، اور دوسرے کے حالات کے ناقص بنانے کی کوشش نہیں کرتا، یا یہ کہ وہ بذات خود ناقص ہونے کے ساتھ دوسرون کے ناقص بنانے کی کوشش کرتا ہے، تو پہلا شخص گمراہ ہے، اور دوسرا گمراہ، اور گمراہ ساز،

[1] تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۱۱۹،

اسی طرح کامل شخص بھی اگر بذاتِ خود کامل ہے لیکن دوسرون کی تکمیل نہین کرسکتا، تو یہی لوگ اولیا ہین، اور اگر بذاتِ خود کامل ہونے کے ساتھ ناقصون کی تکمیل بھی کرسکتا ہے تو یہی لوگ انبیا ہین، .... اور چونکہ نقصان و کمال اور کامل کرنے اور گمراہ کرنے کے مراتب کمیت و کیفیت کے لحاظ سے غیر متناہی ہین، اس لئے ولایت اور نبوت کے مراتب بھی لازمی طور پر کمال و نقصان کے لحاظ سے غیر متناہی ہین، اور ولی وہ انسان کامل ہے جو تکمیل کی قدرت نہین رکھتا، اور نبی وہ انسان ہے، جو کامل بھی ہے، اور کامل بنا بھی سکتا ہے، پھر اوس کی روحانی طاقت کبھی صرف دو ناقص انسانون کی تکمیل کرسکتی ہے، اور کبھی اس سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے، اور دس اور سو آدمیون کی تکمیل کرسکتی ہے، اور کبھی اوس کی یہ قوت اس قدر قوی ہوتی ہے، کہ وہ اثر کرسکتی ہے، جو سورج دنیا مین کرتا ہے، اس لئے وہ اکثر اہل عالم کی روحون کو مقامِ جہل سے مقامِ معرفت تک اور دنیا کی جستجو سے آخرت کی جستجو کی طرف لے جاتا ہے، اور یہ مثال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کی ہے" اس خلاصہ کے نقل کرنے کے بعد امام صاحب لکھتے ہین، کہ "یہ اسرار عالیہ قرآن مجید کے الفاظ میں چھپے ہوئے ہیں، تو جو شخص قرآن مجید کے علم پر نظر ڈالتا ہے، اور ان سے غافل رہتا ہے، وہ علوم قرآن کے اسرار سے محروم رہتا ہے"[1]

ودّ کثیر من اھل الکتاب لو یردّونکم من بعد ایمانکم کفارًا حسدًا من عند انفسھم، کی تفسیر میں حسد پر مختلف حیثیتون سے بحث کی ہے، اور اس بحث میں امام غزالی کی احیاء العلوم سے مباحث نقل کئے ہین، چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہین، کہ امام غزالی کا قول ہے کہ حسد کے چار درجے ہین، اور دوسرے موقع پر لکھتے ہین، کہ شیخ غزالی نے حسد کے

[1] تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۳۳۳،

سات سبب بیان کئے ہین[۱]

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تفسیر مین لکھتے ہین، کہ شیخ غزالی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر مین ایک کتاب مشکوٰۃ الانوار کے نام سے تصنیف کی ہے، جس مین بیان کیا ہے، کہ خداوند تعالیٰ درحقیقت نور ہے، بلکہ نور صرف وہی ہے، اور ہم ان کے بیان کا خلاصہ بہت سے اضافون کے ساتھ جن سے ان کے بیان کی تائید ہوتی ہے، نقل کرتے ہین، اس کے بعد بطریق انصاف ان کے بیان کی صحت اور فساد پر بحث کرین گے،[۲]

امام غزالی کے متعلق مشہور ہے کہ انھون نے فن تفسیر مین یاقوت التاویل کے نام سے ایک ضخیم کتاب ۴۰ جلدون مین لکھی تھی، لیکن مولانا شبلی مرحوم نے الغزالی مین لکھا ہے، کہ "ہمارے تحقیقات کی رو سے یہ ایک فرضی نام ہے، اور امام صاحب نے بھی تفسیر کبیر مین کہین اس کے مضامین نہین نقل کئے ہین، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نام سے امام غزالی کی کوئی تفسیر موجود نہ تھی، ورنہ امام صاحب اس سے ضرور فائدہ اٹھاتے، ادبی حیثیت سے انھون نے زمخشری کی تفسیر کشاف کو پیش نظر رکھا ہے، بعض موقعون پر عبد القاہر جرجانی کا نام بھی لیا ہے، لیکن اونکی اعجاز القرآن کا کہین نام نہین لیتے، اسی طرح جاحظ نے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر جو کتاب لکھی تھی اوس کا کہین حوالہ نہین دیتے،

احکام القرآن یعنی قرآن مجید کے فقہی احکام کی تفسیر مین جو کتابین لکھی گئی تھین، اون مین ابوبکر رازی کی کتاب کا اکثر ذکر کرتے ہین، اور چونکہ وہ حنفی ہین، اور شافعی فقہ کے خلاف آیات احکام کی تفسیر کرتے ہین، اس لئے اکثر بڑے زور و شور سے ان کا رد کرتے ہین،

---

[۱] تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۶۶۹، ۶۷۰، [۲] جلد ۶ ص ۳۵۵،

وہ تفسیر کے مختلف مباحث مین ابن حزم ظاہری کی کتاب الملل والنحل سے بھی فائدہ اٹھا سکتے تھے، لیکن انھون نے کسی موقع پر اس کتاب کا نام نہین لیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ کتاب اون کے پیش نظر نہ تھی،

اصول فقہ مین ان کا ماخذ امام غزالی کی کتاب مستصفی اور ابو الحسین بصری کی کتاب معتمد ہے، چنانچہ اصول فقہ مین انھون نے محصول انہی دونون کتابون کی مدد سے لکھی ہے، اور صفحے کے صفحے ان کی عبارتین بلفظہٖ نقل کر دی ہین[۱]، لیکن اسی کے ساتھ امام صاحب کسی کی کورانہ تقلید نہین کرتے بلکہ ہر مصنف اور کتاب کے متعلق اپنی ناقدانہ رائے رکھتے ہین، اور مناسب موقعون پر اپنی تنقیدی رائے کا اظہار کر دیتے ہین، چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہین، کہ ایک دن مسعودی رحمہ اللہ میرے پاس نہایت فرحان و شادان آئے، تو مین نے ان کی اس مسرت کا سبب پوچھا، انھون نے کہا کہ مین نے چند عمدہ کتابین خریدی ہین، اور اسی وجہ سے مجھ کو یہ مسرت حاصل ہوئی ہے، مین نے ان کتابون کا نام پوچھا تو انھون نے بہت سی کتابون کے نام بتائے، یہان تک کہ جب شہرستانی کی کتاب الملل والنحل کا نام لیا تو مین نے کہا کہ اس کتاب مین انھون نے اپنے خیال مین اہل عالم کے مذاہب کا حال بیان کیا ہے لیکن یہ کتاب معتبر نہین ہے کیونکہ انھون نے اسلامی مذاہب کا حال استاد ابو منصور بغدادی کی کتاب الفرق بین الفرق سے نقل کیا ہے، لیکن وہ مخالفین کے ساتھ سخت تعصب رکھتے تھے، اور ان کے مذاہب صحیح طور پر نقل نہین کرتے تھے، اور شہرستانی نے اسلامی فرقون کے حالات اسی کتاب سے نقل کئے ہین، اس لئے ان مذاہب کے نقل کرنے مین خلل واقع ہوا ہے، رہے فلاسفہ کے حالات تو ان کے متعلق جامع کتاب صوان الحکمۃ ہے، لیکن شہرستانی نے اس کتاب سے بہت کم نقل کیا ہے، مذاہب عرب کا حال انھون نے

---

[۱] کشف الظنون جلد دوم ص ۳۹۲،

جاحظ کی کتاب ادیان العرب سے نقل کیا ہے، البتہ جو چیز شہرستانی کی ملل ونحل کی خصوصیات مین ہے، وہ وہ چار فصلیں ہیں، جن کو حسن بن محمد الصباح نے فارسی زبان مین لکھا ہے، اور ان کو شہرستانی نے عربی میں نقل کیا ہے، مسعودی نے یہ بات سُنی تو کہا کہ ان چارون فصلون کی تردید امام غزالی نے واضح دلائل سے کردی ہے، آپ نے اس کے متعلق امام غزالی کی بحث دیکھی ہے، مین اس بحث کو دیکھ چکا تھا، اور اس کو پسند کرچکا تھا، اس لئے مین نے کہا کہ مین نے اس کو دیکھا ہے انھون نے کہا کہ وہ کتاب میرے پاس ہے، میں لاتا ہون تاکہ آپ اُس کا مطالعہ کرین، اور امام غزالی کی بحث کی قوت کو دیکھین، مین نے کہا کہ اس کتاب کی ضرورت نہیں لیکن انھون نے اس کے لانے اور مطالعہ کرنے پر اصرار کیا، اور اپنے کتب خانہ سے وہ کتاب نکال لائے، اور سب سے پہلے حسن صباح کی یہ فارسی عبارت نقل کی :-

"عقل پسندیدہ است در معرفتِ حق یا پسندیدہ نیست، اگر پسندیدہ است، پس کسے را بعقلِ خویش باز باید گذاشت، واگر پسندیدہ نیست پس ہر آئینہ از معرفتِ حق معلّمے باید"

امام غزالی نے اپنی کتاب مین اس عبارت کو نقل کرکے اوس کا معارضہ اس طرح کیا ہے :-

"دعویٰ پسندیدہ است پس قبولِ یک دعویٰ اولیٰ تر نیست از قبول ضد آن واگر دعویٰ پسندیدہ نیست، پس ہر آئینہ عقل باید"

اور جب مسعودی نے اس عبارت کو دیکھا، تو ان کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا اور کہا کہ یہ کلام کس قدر عمدہ اور کس قدر دقیق ہے، مین اس پر خاموش رہا، تو انھون نے پوچھا کہ آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہین؟ مین نے کہا کہ حسن صباح کا قول اگرچہ باطل ہے، لیکن جو وجہ امام

غزالی نے بیان کی ہے وہ بھی صحیح نہین ہے، اوس پر مسعودی برہم ہوئے، اور ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔[1]

ایک اور موقع پر لکھتے ہین، کہ شرف مسعودی نے امام غزالی کی کتاب شفاء العلیل کا تذکرہ کیا، اور اسکی بڑی تعریف کی، تو مین نے اُن سے کہا کہ تم نے اخیر تک اسکا مطالعہ کیا ہے؟ اس پر انھون نے توقف کیا،[2] تو مین نے کہا کہ اس کتاب مین بہت سی چیزین قابل بحث ہین جنمین مین صرف دو باتون کو بیان کرتا ہون،[3]

مسعودی نے اس کو سن کر کہا کہ مین مانتا ہون کہ شفاء العلیل مین یہ فروگذاشتین ہین لیکن مستصفی ان عیوب سے پاک ہے، مین نے کہا کہ مین ایک بار طوس مین گیا، تو لوگوں نے مجھکو امام غزالی کے مقبرہ میں ٹھہرایا، اور میرے پاس جمع ہوئے، مین نے کہا کہ تم لوگون نے مستصفی کے پڑھنے مین اپنی عمرین ختم کر دی ہین، تو تم میں اگر کوئی شخص اس پر قادر ہو کہ مستصفی کے اول سے آخر تک کوئی دلیل بیان کرکے اور اس کو میرے سامنے خود امام غزالی کے بیان کے مطابق ثابت کرے، اور اس مین کوئی ایسی بات نہ ملائے جو اوس سے الگ ہو، تو مین اس کو سو دینار دون گا، اس پر دوسرے روز ان مین کا ایک ذہین آدمی جس کا نام امیر شرف شاہ تھا آیا، اور دار مغصوبہ مین نماز پڑھنے کے متعلق گفتگو کی، کیونکہ اس کے خیال مین اس مسئلہ کے متعلق امام غزالی کا بیان نہایت پُرزور تھا، لیکن مین نے اوس سے کہا کہ اس مسئلہ میں امام غزالی کا بیان نہایت ضعیف ہے،[4] اور جب مین نے اس کو ثابت کیا تو امیر شرف شاہ بالکل بند ہوگیا، اور کہا کہ میرا خیال تھا، کہ جب میں آپ کے سامنے اس مسئلہ کو ثابت کردون گا، تو موعودہ سو دینار لے لونگا، لیکن اب معلوم ہوا کہ ان سو دینارون کا حاصل کرنا ناممکن ہے، مین نے مسعودی سے اس واقعہ کو بیان کیا، تو وہ اور پریشان ہوئے، پھر مین نے ان سے کہا کہ مین تمھارے سامنے مستصفی کا ایک اور تحفہ پیش کرتا ہون،[5] یہ تحفہ چند اعتراضات کا ہے، جو امام غزالی پر کئے ہین، اور ان اعتراضات کے بعد لکھتے ہین، کہ جب مسعودی نے یہ اعتراضات سُنے تو بہت لال پیلے ہوئے، اور اُن سے کوئی جواب بن نہ آیا۔

---

[1] مناظرات امام رازی ص ۲۵، ۲۶ [2] ،، ص ۲۷ [3] ،، ص ۲۸ [4] ،، ص ۲۹ [5] ،، ص ۳۰

امام صاحب کی تصنیفات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ ان کی وجہ سے مسلمانون کی علمی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا، کیونکہ امام صاحب نے تصنیف وتالیف مین ایک خاص جدت پیدا کی اور تصنیفات کے مرتب کرنے کا ایک نیا انداز قائم کیا، چنانچہ ابن خلکان نے امام صاحب کے حالات مین لکھا ہے، کہ

وَھُوَ اوّل مَن اخترع ھَذا الترتیب	وہ پہلے شخص ہین، جس نے اپنی کتابون
فی کُتبہ واتی فیھا بما لم	مین یہ ترتیب ایجاد کی، اوران مین ایسی
یسبق الیہ،[1]	باتین بیان کین، جن کو اس سے پہلے کسی
	نے بیان نہیں کیا تھا،

اس بناپر قدما کے بعد تصنیف وتالیف کا جو نیا انداز قائم ہوا، اس کا پہلا خاکہ امام صاحب ہی نے قائم کیا، اور امام صاحب کے بعد لوگون نے اس کی تقلید کی، امام صاحب کی تصنیفات کی بدولت دوسرا علمی انقلاب یہ پیدا ہوا کہ امام صاحب کے زمانہ تک قدما کی کتابیں دنیاے اسلام مین متداول تھین، لیکن امام صاحب کی تصنیفات نے جو حسنِ قبول حاصل کیا اوسکی وجہ سے لوگوں نے قدما کی کتابین بالکل چھوڑ دین،[2] اس بناپر امام صاحب کے بعد علومِ اسلامیہ کا جو نیا دور شروع ہوا، وہ امام صاحب ہی کا پیدا کیا ہوا ہے، اور علم کلام اور فلسفہ میں متاخرین کا ماخذ درحقیقت امام صاحب ہی کی تصنیفات ہین،

امام صاحب کی تصنیفات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ وہ مشکل سے مشکل مسائل کو اس قدر سہل اور آسان طریقہ سے بیان کرتے ہین، کہ ایک بچہ کو بھی ان کے سمجھنے مین دقت پیش نہیں آتی، امام صاحب کی تصنیفات زیادہ تر فلسفہ اور علم کلام مین ہین، اور امام صاحب سے پہلے فلسفہ اور حکمت کے مسائل نہایت پیچیدہ اور دقیق الفاظ مین بیان کئے جاتے تھے، سب سے پہلے امام غزالی نے اس طلسم کو

[1] ابن خلکان جلد اول ص ۴۷۴ [2] طبقات الشافعیہ جلد ۵ صفحہ ۳۵ و ابن خلکان جلد اول ص ۴۷۴،

توڑا اور فلسفہ وحکمت کے دقیق سے دقیق مسائل کو ایسے آسان الفاظ مین بیان کیا، کہ معمولی استعداد کا آدمی بھی ان کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، یہی طرز تھا جس کو امام غزالی کے بعد امام رازی نے اور زیادہ ترقی دی اور فلسفہ وحکمت کو بازیچۂ اطفال بنا دیا،[1]

امام صاحب کی تصنیفات کی روزانہ مقدار جو تفسیر کبیر کی بعض سورتون کی تفسیر سے معلوم ہوتی ہے، نہایت حیرت انگیز ہے، مثلاً سورۂ انفال کی تفسیر کے خاتمہ مین لکھتے ہین، کہ اس سورہ کی تفسیر رمضان سنہ ۶۰۱ھ میں اتوار کے دن تمام ہوئی،[2] اس کے بعد سورہ توبہ کی تفسیر شروع کی ہے، اور اس کے خاتمہ مین لکھا ہے، کہ "اس سورہ کی تفسیر سے ۱۴ رمضان سنہ ۶۰۱ھ میں جمعہ کے دن فراغت حاصل ہوئی،"[3] اور اس سورہ کی تفسیر مصری چھاپے میں ۱۹۴ صفحوں مین تمام ہوئی ہے، اور ہر صفحہ میں ۳۱ سطریں ہین، جن کا خط نہایت باریک ہے، اس لحاظ سے اگر یہ فرض کر لیا جائے، کہ رمضان کی پہلی تاریخ اتوار کے دن پڑی تھی، تو سورہ توبہ کی تفسیر مین ۱۴ دن یعنی صرف دو ہفتے صرف ہوئے، اور اس حساب سے اگر ۱۹۴ صفحوں کو ۱۴ دن پر تقسیم کیا جائے، تو تصنیف کی روزانہ مقدار تقریباً ۱۴ صفحے ہوتی ہے، اور یہ ایک ایسی مقدار ہے، کہ عام طور پر لوگ روزانہ ۱۴ صفحے کی کتابت بھی بہ مشکل کر سکتے ہین،

سورہ مومن کی تفسیر ۲ ذی الحجہ سنہ ۶۰۳ھ مین شہر ہرات مین تمام کی ہے،[4] اس کے بعد سورہ حم السجدہ کی تفسیر شروع کی ہے، جو ۴ ذی الحجہ سنہ ۶۰۳ھ کو ظہر کے وقت تمام ہوئی ہے،[5] اس سورہ کی تفسیر ۴۰ صفحون میں تمام ہوئی ہے، جو صرف ۲ روز میں لکھی گئی ہے، اور اس حساب سے تصنیف کی روزانہ مقدار ۲۰ صفحے ہوتی ہے، جو پہلے سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے، اگرچہ بعض اوقات اس مقدار مین غیر معمولی کمی بھی واقع ہوئی ہے، مثلاً سورۂ یوسف کی تفسیر ۷ شعبان سنہ ۶۰۱ھ مین تمام کی ہے،[6] اور اس کے بعد سورہ رعد کی تفسیر شروع کی ہے، جو ۱۰ شعبان سنہ ۶۰۱ھ میں تمام ہوئی ہے،[7]

[1] الغزالی ص ۱۲۰ [2] تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۵۶۳ [3] ایضاً صفحہ ۶۴۴ [4] ایضاً جلد ۷ صفحہ ۳۴۵ [5] ایضاً صفحہ ۳۴۲ [6] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۳۵۸
[7] ایضاً صفحہ ۲۱۳،

یعنی اس سورہ کی تفسیر میں گیارہ دن صرف ہوئے ہین اور اسکے صفحات کی تعداد ۵۵ ہے، اس حساب سے اس سورہ کی تصنیف کی روزانہ مقدار صرف ۵ صفحہ ہے، تاہم اگر انکی تصنیفات کے صفحات کی مجموعی تعداد کو انکی زندگی کے دنوں پر تقسیم کیا جائے، تو انکی تصنیفات کی روزانہ مقدار غیر معمولی ہوگی،

امام صاحب کی تصنیف و تالیف کا زمانہ نہایت بے اطمینانی اور پریشانی کی حالت میں گذرا ہے، اور تفسیر کبیر میں انھون نے جابجا اپنی پریشانیون اور بے اطمینانیون کا اظہار کیا ہے، مثلاً سورہ یونس کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھتے ہین، کہ "مین نے رجب ۶۰۱ھ میں اس سورہ کی تفسیر ختم کی، اور فرزند صالح محمد کی وفات سے تنگدل اور غمزدہ تھا[1]" سورہ یوسف کے خاتمہ مین بھی یہی رونا روئے ہین[2]، خوائف الدنیوی اور خانہ جنگی کی وجہ سے بھی بے اطمینانی اور پریشانی رہتی تھی، لیکن ان پریشانیون کے باوجود بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اور اس کے لئے سفر و حضر کی کوئی تخصیص نہ تھی، چنانچہ تفسیر کبیر میں بہت سی سورتون کی تفسیرین سفر ہی کی حالت مین لکھی ہیں، اور ان سورتون کے خاتمہ میں اسکی تصریح کر دی ہے، اور اپنی پریشانی اور بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے، سورہ انفال کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھتے ہین کہ مین نے اس سورہ کی تفسیر ایک گاؤن مین ختم کی جو بغدان کے نام سے مشہور تھا، اور مین خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خوف و ہراس زمانہ کی سختی اور ظالموں کے داؤن گھات سے نجات دے[3]، سورہ ابراہیم کی تفسیر کے خاتمہ مین لکھتے ہین کہ اس سورہ کی تفسیر صحراے بغداد مین تمام ہوئی، اور مین خدا سے دعا کرتا ہون کہ رنج و غم سے نجات دے[4]، سورہ بنو اسرائیل کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھا ہے، کہ اس سورہ کی تفسیر شہر غزنین مین تمام ہوئی[5]، سورہ کہف کی تفسیر بھی غزنین ہی مین لکھی[6]، تصنیف و تالیف کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہ تھا، بلکہ رات دن کے مختلف

---

۱ تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۵۰ ۲ ،، ص ۲۵۰ ۳ ،، جلد ۴ ص ۵۸۱، ۴ ،، جلد ۵ ص ۳۶۲ ۵ ،، ص ۶۰۲، ۶ ،، ص ۶۴۲؛

اوقات میں یہ مشغلہ جاری رہتا تھا، چنانچہ سورہ نحل کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھتے ہیں کہ اس سورہ کی تفسیر منگل کی رات کو عشاء کے بعد متصل زمانہ مین ختم ہوئی[1]، سورہ بنو اسرائیل کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھتے ہین کہ اس سورہ کی تفسیر منگل کے دن ظہر اور عصر کے درمیان تمام ہوئی[2]، سورہ صافات کی تفسیر کے خاتمہ مین لکھتے ہین، کہ اس سورہ کی تفسیر جمعہ کے دن چاشت کے وقت ختم ہوئی[3]، سورہ حم کی تفسیر کے خاتمہ مین لکھتے ہین، کہ اس سورہ کی تفسیر ظہر کے وقت ختم ہوئی[4]۔

امام صاحب کی تصنیفات کی سب سے بڑی خصوصیت استقصاء و جامعیت ہے، وہ ہر مسئلہ پر نہایت سیر حاصل بحث کرتے ہین، اور اس مسئلہ پر جس قدر دلائل و براہین اور اعتراضات و جوابات ہوتے ہین، سب کو ایک جگہ جمع کر دیتے ہین، اور اس مین رطب و یابس کی کوئی تمیز نہین کرتے، مولانا شبلی مرحوم خاص طور پر ان کی تفسیر کبیر کے متعلق لکھتے ہین کہ "اگرچہ جیسا کہ ان کا عام انداز ہے وہ وسعت بیان اور تبحر علمی کی، رو مین رطب و یابس کی تمیز نہین کرتے، اور سینکڑون ایسی ادھی اور سرسری باتین لکھ جاتے ہین، جو ان کے رتبہ کے بالکل شایان نہین ہوتین، تاہم ان حشو و زوائد کے ساتھ سیکڑون ایسے دقیق اور معرکۃ الآراء مسائل حل کئے ہین، جن کا کسی اور کتاب میں نام و نشان بھی نہین ملتا[5]، لیکن یہ تفسیر کبیر ہی کی خصوصیت نہیں، بلکہ ان کا یہ عام انداز بیان ہے اور اسی انداز بیان نے فقہاء اور محدثین کو ان سے بہت زیادہ بدگمان کر دیا ہے، چنانچہ علامہ ذہبی میزان الاعتدال مین ان کی نسبت لکھتے ہین، کہ وہ ذہانت اور عقلیات کے سردار ہین، لیکن وہ حدیث سے بالکل بے بہرہ ہین، اور ان مسائل پر جو دین کے ستون ہین، انھون نے ایسے شبہات وارد کئے ہین، جن سے حیرت پیدا ہوتی ہے[6]، حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں لکھا ہے، کہ علم کلام اور اصول فقہ میں ان کی کتابین مشہور

---

۱ تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۵۴۰ ۲ ،، ص ۶۶۲ ۳ ،، جلد ۷ ص ۱۶۷ ۴ ،، ص ۳۸۴ ۵ الکلام ص ــ ،، ۶ میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۳۲۴؛

اور متداول ہین، اور ان کی بعض باتین قابلِ قبول اور بعض باتین قابلِ تردید ہین، ان پر یہ الزام لگایا جاتا تھا، کہ وہ اعتراضات تو نہایت قوی کرتے ہین، لیکن ان کے جوابات مین کوتاہی کرتے ہین، یہان تک کہ بعض مغربیون نے کہا ہے کہ ان کے اعتراضات تو نقد ہوتے ہین اور جوابات ادھار، ابن دحیہ نے ان کا تذکرہ مدح و ذم دونون کے ساتھ کیا ہے، اور ابن شامہ نے ان کی بہت سی بری چیزین نقل کی ہین، نجم طوفی نے اکسیر فی علم التفسیر مین لکھا ہے، کہ مین نے قرطبی اور امام فخر الدین کی تفسیر سے علمِ تفسیر کی جامع تر اور کوئی تفسیر نہین دیکھی، لیکن امام فخر الدین کی تفسیر مین عیوب بہت زیادہ ہین، چنانچہ سراج الدین مغربی نے دو جلدون مین ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ماخذ ہے، اور اوس مین تفسیر کبیر کی غلطیان اور کمزوریان دکھائی ہین، وہ امام رازی پر سخت اعتراضات کرتے تھے، اور کہتے تھے، کہ وہ مخالفینِ مذہب کے اعتراضات تو نہایت تحقیق کے ساتھ بیان کرتے ہین، پھر اہلسنت کے مذہب کو نہایت کمزور طریقہ پر پیش کرتے ہین، طوفی کا قول ہی کہ فلسفہ اور علم کلام کی کتابون مین ان کی عام روش یہی ہے، اس لئے بعض لوگون نے ان پر اتہام لگایا ہے، لیکن یہ بات ان کے ظاہری حالات کے مخالف ہے، کیونکہ اگر وہ کسی خاص قول اور مذہب کو اختیار کرتے، تو ان کو اس کے اظہار مین کس کا ڈر تھا، غالبًا اس کی وجہ یہ تھی، کہ وہ فریق مخالف کی دلیل کے اثبات مین تمام اقوال ختم کر دیتے ہین، پھر جب اپنی دلیل کے اثبات پر آتے ہین، تو ان کی قوت ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ روحانی طاقتین جسمانی طاقتون کی تابع ہوتی ہین، خود امام رازی سے منقول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ حدوثِ عالم پر مجھے سو اعتراضات ہین،[1]

لیکن واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنی تصنیفات مین جو کچھ لکھا ہے، محض علمی حیثیت سے لکھا ہے، چنانچہ اپنے وصیت نامہ مین جس کو خود حافظ ابن حجر اون کے حسنِ اعتقاد کی دلیل

[1] ملخص از لسان المیزان جلد ۴ ص ۴۲۶ و ۴۲۸،

قرار دیتے ہین، لکھتے ہین، کہ مین ایک علم دوست آدمی تھا، اور ہر چیز کے متعلق خواہ وہ حق ہو یا باطل نیک ہو یا بد، کچھ نہ کچھ لکھا کرتا تھا، مین نے جو علمی کتابین تصنیف کین، اور ان مین قدما پر کثرت سے جو اعتراضات کئے، ان کو جو شخص دیکھے، اور وہ اس کو پسند آئین، تو وہ مجھکو اپنی دعاؤن سے احسان کے طور پر یاد کرے، ورنہ برے قول کو حذف کر دے، کیونکہ میرا مقصد صرف تکثیر بحث اور تشحیذ خاطر تھا۔" اس بنا پر اونھون نے اپنی تصنیفات مین جو کچھ لکھا ہے، اوس کو مذہبی حیثیت دینا، اور اُن کو ان کے عقائد مین شمار کرنا سخت غلطی ہے، ان کے مذہب اور عقیدہ کی بنیاد علم کلام اور فلسفہ پر قائم نہ تھی، بلکہ خود حافظ ابن حجر نے لکھا ہے، کہ "علم کلام مین ماہر ہونے کے باوجود وہ کہا کرتے تھے، کہ جو شخص بوڑھی عورتون کے مذہب کا پابند ہو وہی کامیاب ہے[1] یعنی انکے نزدیک مذہب کو دلیل کے بغیر ماننا چاہئے،

[1] لسان المیزان جلد ۴ ص ۴۲۷،

بائبل قرآن اور حدیث مین

از

جناب مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دار المصنفین

(۲)

۲۲- سمعت رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن القزع (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع کیا کرتے تھے، کہ بچہ کے سر کا بعض حصہ مونڈا جائے، اور بعض چھوڑ دیا جائے، (حدیث)

"تم اپنے سروں کے گوشے مت مونڈو،" (احبار۔ ۱۹)

۲۳- لعن اللہ الواصلۃ والمستوصلۃ والواشمۃ والمستوشمۃ، (بخاری)

خدا نے لعن کیا مصنوعی بال بنانے والی اور بنوانے والی پر، گودنے والی، اور گدوانے والی پر،! (حدیث)

"اور اپنے اوپر گودنے سے نشان نہ دو!" (احبار، ۱۹)

۲۴- لعن اللہ المتشبہین من الرجال بالنساء والمتشبہات من النساء بالرجال، (بخاری)

خدا نے لعنت کیا، اُن مردون پر، جو عورتون سے مشابہت کرتے ہین، اور اُن عورتون پر جو مردون سے مشابہت کرتی ہین، (حدیث)

"عورت مرد کا لباس نہ پہنے، اور مرد عورت کی پوشاک نہ پہنے، کیونکہ تیرا خدا اُن سب جو ایسا کرتے ہین، نفرت رکھتا ہے،" (استثنا۔ ۲۲)

۲۵- من بدّل دینہ فاقتلوہ (بخاری)

جو اپنے دین کو بدل دے اسکو قتل کرو (حدیث)

"اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر کہے گا، جان سے مارا جائے گا،" (احبار۔ ۲۴)

۲۶- فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر، (بخاری)

آسمان کے پانی اور چشمون سے جو پیدا وار ہو اوس میں دسوان حصہ،! (حدیث)

"تو اپنے غلہ مین سے جو سال بسال تیرے کھیتون مین حاصل ہوتا ہے، دسوان حصہ وفاداری سے جدا کیجو،" (استثنا، ۱۴)

۲۷- "ابو داؤد کی روایت ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتین چالیس دن رات نفاس کی وجہ سے بیٹھتی تھین،" (حدیث)

"بنی اسرائیل کو کہہ جو عورت کہ حاملہ ہوا اور لڑکا جنے تو وہ سات دن جیسے حیض کے دنون مین وہ رہتی ہے، ناپاک ہوگی، اور آٹھوین دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے، اور بعد اس کے وہ لہو سے اپنے پاک کرنے مین تینتیس دن ٹھہری رہے، اور کسی مقدس چیز کو نہ چھوئے،" (احبار۔ ۱۲)

۲۸- "جو آزاد مرد یا عورت نکاح سے فائدہ اٹھا چکے ہون، یعنی مجامعت کی نوبت آچکی ہو، اور پھر وہ زنا کرین، تو حسب تصریح احادیث ان کو سنگسار کیا جائیگا، (حدیث)

"اگر کوئی مرد شوہر والی عورت سے زنا کرتے پایا جائے، تو وہ دونون مار ڈالے جائین"

(استثنار ۲۲)

۲۹- جو آدمی کسی عراف کے پاس آئے، اس کی چالیس راتوں کی عبادت نہ قبول ہو گی، (مسلم)

(حدیث)

"تم میں سے کوئی پایا نہ جائے جو اپنے یا بیٹی کو آگ میں گذر کروائے، یا غیب گو، یا نجومی یا فال کھولنے والا، یا ڈائن نہ منتر پڑھنے والا ہو، .... نہ رمّال اور نہ ساحر،

(استثنا ۱۸)

تاریخ

۳۰- لُعِنَ الذِینَ کفروا مِنۢ بنی اسرائیل	بنی اسرائیل مین سے جنھون نے کفر کیا
علیٰ لِسان داؤد وعیسیٰ ابنِ	اُن پر داؤد اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کی
مریم،	زبان سے لعنت کی گئی،

(قرآن)

"اے میرے لوگو سنو کہ مین تجھ پر گواہی دون گا، اے اسرائیل اگر تو میری سُنے گا، تو تیرے درمیان کوئی دوسرا معبود نہ ہو، تو کسی اجنبی کو سجدہ نہ کرنا، خداوند تیرا خدا مین ہون، جو تجھے مصر کی سرزمین سے باہر لایا، اپنا منہ کھول کہ اُسے بھر دون گا، پر میرے لوگون نے میری آواز پر کان نہ دھرا، اور اسرائیل نے مجھے نہ چاہا، تب میں نے اُن کے دلون کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا،"

(زبور ۸۱)

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبرون کے مانند ہو، جو باہر سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہین، پر بھیتر مُردون کی ہڈیون اور ہر طرح کی ناپاکی

سے بھری ہین اسی طرح تم بھی ظاہر مین لوگون کو راستباز دکھائی دیتے ہو، پر باطن مین ریاکاری اور شرارت سے بھرے ہو"!

(متی - ۲۳)

۳۱- وَیَقتُلُونَ النَّبِیّنَ بِغَیرِ حَقٍّ وَ	اور پیغمبرون کو ناحق قتل کرتے، اور ہر
یَقتُلُونَ الَّذِینَ یَامُرُونَ	اس شخص کی زندگی کے دشمن بن جاتے
بِالقِسطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرھُم	ہین، جو ان کو عدل اور نیکی کی بات سمجھائے!
بِعَذَابٍ اَلِیمٍ،	تو ان کو دردناک سزا کی خوشخبری سنادے!
(آل عمران ۳)	(قرآن)

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس، کیونکہ نبیوں کی قبرین بناتے، اور راستبازون کی گورین سنوارتے ہو اور کہتے ہو، کہ اگر ہم اپنے باپ دادون کے دنون مین ہوتے، تو نبیون کے خون مین ان کے شریک نہ ہوتے، اس طرح تم اپنے اوپر گواہی دیتے ہو، کہ تم نبیون کے قاتلون کے فرزند ہو، پس اپنے باپ دادون کا پیمانہ بھر دو، اے سانپو، اور اے سانپون کے بچو، تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے"!

(متی - ۲۳)

۳۲- یَابَنِیٓ اِسرَآئِیلَ اذکُرُوا نِعمَتِی	اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے وہ احسان
الَّتِیٓ اَنعَمتُ عَلَیکُم وَاَوفُوا	جو مین نے تم پر کیے، اور تم پورا کرو میرا قرار
بِعَھدِیٓ اُوفِ بِعَھدِکُم،	تو مین پورا کرون تمھارا اقرار،
(بقرہ - ۵)	(قرآن)
وَقَالَ اللہُ اِنِّی مَعَکُم لَئِن اَقَمتُمُ	اور خدا نے کہا میں تمھارے ساتھ ہون
الصَّلٰوۃَ وَآتَیتُمُ الزَّکٰوۃَ وَ	اگر تم نے نماز قائم کیا، اور زکوٰۃ دیا، او

آمنتم برسلی، — میرے نبیوں پر ایمان لائے،

(مائدہ ۳) (قرآن)

"اگر تم میری شریعتوں پر چلوگے، اور میرے حکموں کو حفظ کروگے، اور اُن پر عمل کروگے،

...... میں تمھاری طرف توجہ کرونگا، اور تمھیں برومند کرونگا، اور میں تم کو بڑھاؤنگا

اور اپنا عہد تم سے قائم کرونگا، (احبار ۲۶)

۳۳- قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ — بولے اے موسیٰ وہاں ایک قوم ہے زبردست

وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا — اور ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے، یہاں تک

(مائدہ ۳) — کہ وہ نکل جائیں اس میں سے،!

(قرآن)

"اور بولے کہ یہ زمین جس کی جاسوسی میں ہم گئے تھے، ایک زمین ہے جو اپنے بسنے والوں

کو کھاتی ہے، اور سب لوگ جنھیں ہم نے وہاں دیکھا بڑے قدآور ہیں، اور ہم نے وہاں

جباروں کو یعنی بنی عناق کو جو جباروں کی نسل سے ہیں دیکھا،"

(گنتی ۱۳)

تم کہاں چڑھیں ہمارے بھائیوں نے تو یوں کہہ کے بیدل کردیا، کہ وہ لوگ تو ہم سے

بڑے اور لمبے ہیں، (استثنا ۱)

۳۴- قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ — فرمایا تحقیق وہ زمین حرام کی گئی، اُن

أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي — پر چالیس برس سر مارتے پھریں گے ملک

الْأَرْضِ، (مائدہ ۴) میں، (قرآن)

"تب خداوند نے تمھاری باتیں سنیں، اور غصہ ہوا، اور قسم کھا کے یوں بولا، کہ یقیناً

اس شریر پشت کے لوگوں میں سے ایک بھی اس اچھی زمین کو جس کو دینے کا وعدہ میں

نے اُن کے باپ دادوں سے قسم کھا کے کیا تھا، نہ دیکھے گا، (استثنا ۱)

"اور تمھارے لڑکے اس دشت میں چالیس برس تک بیابان میں بھٹکتے پھرینگے" (گنتی ۱۴)

۳۵- وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ — اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا،

(بقرہ) (قرآن)

اور تیری بدلی اُن پر رہتی ہے،" (گنتی ۱۴)

۳۶ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا — سو اب توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے

أَنفُسَكُمْ، (بقرہ) — کی طرف، اور مار ڈالو اپنی اپنی جان

(قرآن)

"اور ہر مرد تم میں سے اپنے بھائی کو، اور ہر ایک آدمی اپنے دوست کو اور ہر ایک آدمی

اپنے قریب کو قتل کرے،" (خروج ۳۲)

۳۷- فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ — تو ہم نے کہا مار اپنے عصا کو پتھر پر،

فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ — سو بہ نکلے اس سے بارہ چشمے، پہچان

عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ — لیا ہر قوم نے اپنا گھاٹ،

مَّشْرَبَهُمْ، (بقرہ) (قرآن)

"تب موسیٰ نے اپنا ہاتھ اٹھایا، اور اس چٹان کو دو بار اپنی لاٹھی سے مارا تو بہت

پانی نکلا، اور جماعت نے اور ان کے چارپایوں نے پیا،" (گنتی ۲۰)

۳۸- إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ — وہ ایک گائے ہے محنت کرنے والی نہیں

وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ — کہ جوتتی ہو زمین کو، یا پانی دیتی ہو کھیتی کو

لَا شِیَةَ فِیْهَا،	بے عیب ہے، کوئی داغ اس مین نہین،
(بقرہ)	(قرآن)

"ایک لال گائے جو بے داغ اور بے عیب ہو، اور جس پر کبھی جُوا نہ رکھا گیا ہو،"

(گنتی ۱۹)

۳۹- وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً	اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس رات
وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ	کا اور پورا کیا، ان کو اور دس سے پوری
رَبِّهٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً،	ہو گئی مدت تیرے رب کی چالیس راتین،
(اعراف)	(قرآن)

"اور وہان چالیس دن رات خداوند کے پاس تھا،" (خروج ۳۴)

۴۰- فَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ،	اور ڈال دین وہ تختیان،
(اعراف)	(قرآن)

"تب موسیٰ کا غضب بھڑکا، اور اوس نے تختے اپنے ہاتھون سے پھینک دیے!"

(خروج ۳۲)

۴۱- نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ	آواز آئی اے موسیٰ مین ہون تیرا رب
فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ	اتار ڈال، اپنی جوتیان، تو ہے پاک
الْمُقَدَّسِ طُوًی، (طٰہٰ)	میدان مین طوی مین، (قرآن)

"تو خدا نے اُسے بُوٹے کے اندر سے پکارا اور کہا کہ اے موسیٰ، وہ بولا مین یہان ہون تب اُس نے کہا، یہان نزدیک مت آ، اپنے پاؤن سے جوتا اوتار، کیونکہ یہ جگہ جہان تو کھڑا ہے، مقدس زمین ہے،!" (خروج ۳)

۴۲- کُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ	تمام کھانے بنی اسرائیل کے لئے حلال
اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ	تھے، مگر وہ جن کو اسرائیل نے تورات
عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ	نازل ہونے سے قبل اپنے اوپر خود حرام
التَّوْرٰىةُ، (آل عمران)	کر لیا تھا، (قرآن)

"تم بنی اسرائیل سے کہو، سب چارپایون مین سے جو زمین پر ہین، اور تمھین ان کا کھانا روا ہے، یہ ہین،" (احبار ۱۱: ۲)

اس کے بعد جانورون کی تفصیل ہے، اس سے معلوم ہوا، کہ تورات نازل ہونے سے پیشتر وہ جانور حلال تھے،

۴۳- وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا	اور یہودیون پر ہم نے ہر ناخن والا جانور
كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ (انعام)	حرام کیا، (قرآن)

"مگر اُن میں سے جو جگالی کرتے ہین، یا کھُر اُن کے چرے ہوئے ہین، اُن کو نہ کھاؤ۔" (احبار ۱۱)

۴۴- جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ،	لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا،
(ہود)	(قرآن)

"اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لا کر ایک جوان کو دیا" (پیدایش ۱۸)

۴۵- وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ	اور ان کی مثال انجیل مین مثل اُس
اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ	کھیتی کے ہے جس نے اپنا ڈنٹھل نکالا،
فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ	پھر اوس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹا
الزُّرَّاعَ، (فتح)	ہوا، پھر اپنے پیرون پر کھڑا ہو کر کاشتکارون

کو متعجب کرنے لگا، (قرآن)

"آسمان کی بادشاہت خردل کے دانہ کے مانند ہے، جسے ایک شخص نے لیکے اپنے کھیت مین بویا، وہ سب بیجون مین چھوٹا ہے، پر جب اگتا ہے، تو سب ترکاریون سے بڑا ہوتا ہے" (متی ۱۳)

۱۰۶- وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ، اور البتہ ہم نے زبور مین ذکر کے بعد لکھ ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہون گے،

(انبیاء-۷) (قرآن)

"صادق زمین کے وارث ہون گے اور ابد تک اس پر بسین گے" (زبور ۹،)

الفرقان بریلی کا "ولی اللہ نمبر"

تین سو صفحات مین دسمبر مین شائع ہوگا، اسمین حضرت شاہ صاحبؒ کے تجدیدی کارنامون، الہامی نظریون اور انقلاب انگیز فلسفہ کے متعلق بیش مشاہیر علما، اور اہل قلم کے مضامین، متعدد نظمین، اور حضرت شاہ صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بعض اہم تاریخی تحریرون کے فوٹو ہونگے، پوری کیفیت تو مطالعہ ہی سے معلوم ہوگی، سرسری اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ادارہ الفرقان کے علاوہ، مولانا عبید اللہ سندھی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولینا ابوالاعلیٰ مودودی، مولینا مناظر احسن گیلانی، مولنا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ام اے اور مولینا سید علی ندوی استاذ ندوۃ العلما، جیسے علما، کے مضامین زیب رسالہ ہون گے،

اس نمبر کی قیمت عہ ہے، لیکن الفرقان کے مستقل خریدارون سے علحدہ کوئی قیمت نہ لیجائیگی، بشرطیکہ انکی سالانہ قیمت سے پہلے وصول ہوجائے،

"ناظم دفتر الفرقان بریلی"

تلخیص و تبصرہ

مسجد کور اور آمدی کے کھنڈرات

پندرہوین صدی عیسوی کے اوائل مین جب بنگال پر خود مختار پٹھانون کی حکومت تھی، پٹھان خاندان کے کچھ جانباز امرا نے ایک مختصر جماعت کیساتھ بنگال کے جنوبی حصہ کو فتح کرنے اور وہان مسجدین بنانے کی ٹھانی، یہ پورا خطہ قریب قریب سندربن سے گھرا ہوا تھا، ان جانبازون مین بارہ فقرا اور درویش بہت نمایان تھے، جنھون نے موجودہ جسور سے دس میل کے فاصلہ پر شمال کی سمت بارہ بزار مین غالبا سب سے پہلے بود و باش اختیار کی، ان بارہ درویشون مین سب سے زیادہ باقتدار سردار خان جہان علی عرف خانجہ علی تھا، جس نے ضلع کھلنا اور جسور خصوصاً ضلع کھلنا کی تحصیل بگرہٹ مین اپنے مذہبی جذبات اور ہمدردول کی یادگارین مسجدون، عمارتون اور حوضون کی شکل مین جابجا چھوڑی ہین، بگرہٹ کے مقبرہ پر اس کا نام الغ خان تحریر ہے، وہ اپنے کو ناصر الدین محمود شاہ بنگال کا نائب سمجھتا تھا، اسی لئے اس جگہ کا نام اوس نے خلیفۃ آباد رکھا تھا، وہ عابد شب زندہ دار، مسلمانون کا مددگار، مذہب کا جان نثار اور بڑا جنگ آزمودہ سپاہی بھی تھا، اس نے ناصر الدین محمود شاہ بنگال (۱۴۴۲-۵۹) کے زمانہ مین سندربن کو صاف کیا، جس کا آخر مین صوبہ دار مقرر کیا گیا، ڈھاکہ مین جہان پروفیسر بلوک مین (Blochmann) کے خیال کے مطابق اوس نے مسجد کا دروازہ بنوایا تھا، اس دروازہ پر اسکی وفات کی تاریخ [illegible]

لکھی ہی، اور بگرہٹ کے کتبہ کے مطابق وفات کی تاریخ ۲۶ رذی الحجہ ۸۶۳ھ مطابق ۲۲ راکتوبر ۱۴۵۹ء ہی،
یہ قصہ بھی مشہور ہے، کہ شہنشاہ دہلی نے اسے اس خطہ کو زیر نگین کرنے کے لئے بھیجا تھا، اس سلسلہ مین اُس نے عجیب غریب کارہائے نمایان انجام دئے،

اس کے علاوہ باقی گیارہ فقرا مختلف حصون مین پیر کی حیثیت سے بس گئے، وہان کی روایت کے مطابق غریب شاہ اور بہرام شاہ دو درویش آگے بھیجدیے گئے تھے، تاکہ وہ ایک مقام پر پہنچکر جسکو اب جسور کہتے ہین، خان جہان کے لئے کھانا تیار رکھین، چنانچہ وہ وہین مقیم ہوگئے، ان دونون کے مقبرے کے متعلق ایک حجرہ ہے، جس پر ہندو اور مسلمان دونون نذر و نیاز چڑھاتے ہین، پیر ظہر الدین کبدک ندی کے کنارے ایک مقام پر ٹھہرے، جس کا نام بعد مین ان کے نام پر ظہر پور کہلایا، دو درویش باپ بیٹے بورحان خان اور فاتح خان جنوب کی طرف بڑھکر آمدی مین مقیم ہوئے، یہ بھی اسی ندی کے کنارے ایک گاؤن ہے، جو کھلنا کی تحصیل مین چند کھالی سے سات میل کے فاصلہ پر واقع ہے،

خان علی نے سندربن کا کافی حصہ اپنے قبضہ مین کرلیا، اور بگرہٹ کے قریب اپنی حویلی بنائی جہان اوس نے سٹھ گمبا (ستر گنبد کی خرابی ہے) مسجد تعمیر کرائی، جس مین پتھر کے ساٹھ ستونون پر ۷۷ گنبد قائم تھے، اس کے علاوہ اپنے تمام ساتھیون (اختیار خان، بختیار خان، عالم خان، سعادت خان، احمد خان، دریا خان، شیر خان وغیرہ) کے لئے مسجدین بنوائی تھین، جن مین ان کی حیثیت کے مطابق تین سے لیکر نو گنبد تک تھے، ہر مسجد کے متعلق ایک حوض تھا، جس کی شکستہ یادگارین اب تک بگرہٹ مین موجود ہین، اس سلسلہ مین وہ اپنے یار غار بورحا خان کو بھی نہیں بھولا، اس کا صحیح نام معلوم نہیں ہے، اس کے لڑکے فتح خان سے ممتاز کرنے کے لئے اسکو ضعیف کے معنی مین بوڑھا خان کہتے تھے، اس کا مستقل مرکز آمدی تھا، لیکن عارضی آستانہ بگرہٹ اور رام گھاٹ کے پاس تھا، جس کے

آثار اب تک موجود ہین،

خان جہان نے دریاے کبدک کے کنارے بوڑھا خان کے مکان کے پاس نو گنبد کی ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی، دونون خانون کے انتقال کے بعد پھر جنگل نے بڑھتے بڑھتے چارون طرف سے آمدی کو گھیر لیا، اب جنگلات کی صفائی کے سلسلہ مین یہ پرانی مسجد نکلی ہے، اور اس جگہ کا نام مسجد کور رکھا گیا ہے،

یہ مسجد غالباً انہی معمارون نے بنائی ہوئی ہوگی جنھون نے سٹھ گمبا مسجد بنائی تھی، اس کا طرز تعمیر، گنبدون کی ترتیب اور پتھر کے ستون بگرہٹ کی مسجد سے بالکل ملتے جلتے ہین، ان تمام عمارتون سے پٹھان طرز تعمیر کا پتہ چلتا ہے، جن مین اونچی اونچی نکلی ہوئی محرابین، چھ فٹ چوڑے آثار کی دیوارین اور خاص طرز کی اینٹون کے گنبد ہوتے ہین،

مسجد کور بنگال کی مسجدون کا بہترین نمونہ ہے، اس کے مقابلہ کی صرف دو مسجدین اور ہین، گور مین بابا آدم کی مسجد اور سیتا گاؤن مین جلال الدین کی، مسجد کور کا اندرونی رقبہ ۴۰×۴۰ ہے، دیوار کے آثار تقریباً سات فٹ ہین، اس کے ہر طرف تین تین دروازے ہین، صرف پچھم طرف پوری دیوار ہے اور مسجد کے فرش پر نماز کی صفون کے لئے تین نشانات ہین، درمیانی در کنارے کے درون سے بڑا ہے، ۹ گنبد اندر کے چار پتھر کے ستونون پر قائم ہین، سٹھ گمبا کی طرح اس مین بھی چارون کونون پر چار مینارے ہین، لیکن سامنے کے دو میناروں پر چڑھنے کے لئے زینہ نہیں ہے، اندر کی دیوارین منقش ہین، اینٹون پر خوبصورت چھوٹے چھوٹے دائرے ہین، مسٹر سنڈر کا خیال ہے، کہ یہ بنگال کے حکمران کی بادشاہت کا نشان ہے، کیونکہ اس کے سکون پر بھی اسی طرح کے دائرے ہوتے تھے،
اس کی تعمیر کے وقت مسجد کے تین طرف خندق اور ایک طرف ندی تھی، جنوب کی طرف کی خندق کا نشان اب بھی موجود ہے،

عید اور دوسرے تہوارون کے موقعون پر آس پاس کے مسلمان اب بھی اس مسجد مین نماز کے لئے جمع ہوتے ہین، یہ دیکھکر بڑا صدمہ ہوتا ہے، کہ اس کا بالائی شمالی اور مغربی حصہ گھنے جنگلون سے ڈھک گیا ہے، جس کی وجہ سے ندی کے خوبصورت نیچوں کے سامنے سے عمارت کا دلکش منظر غارت ہو گیا ہے، دروازون کے محرابون کی اینٹین ٹوٹ گئی ہین، یا لوگون نے اکھاڑ دی ہین، گنبد بھی مجروح ہو گئے ہین،

مسجد سے ڈیڑھ میل جنوب مین موجودہ آمدی کا گاؤن ہے یہین بوڑھا خان اور فتح خان نے سکونت اختیار اور کچہری قائم کی تھی، ان درویشون کے گھرون کی یادگارین اینٹون کے ڈھیر کی زبان سے اب بھی اپنی کہانی سُنا رہی ہین،

ان خندقون کے درمیان تین تالاب ہین، جنوب کی سمت کچھ اور آگے بڑھکر ایک بہت بڑا تالاب ہے، جس کو کالیکا ڈیگی کہتے ہین، جس کا طول بندون کے طرز پر شمال و جنوب کی جانب ہے، کہا جاتا ہے، کہ یہ تالاب اندر نرائن چودھری نے کھدوایا تھا، جس کے مکان کے کھنڈر بابو کیلاش چندر گھوش کے مکان کے احاطہ مین اب بھی موجود ہین، فتح خان اور بوڑھا خان کے مقبرے پچیس سال پہلے سالم تھے، اب ندی مین گر پڑے ہین، لیکن یہ جگہ آس پاس کے مسلمانون کے لئے اب بھی زیارت گاہ ہے،

(اسلامک کلچر) ا۔ع

کمتری یا برتری کا خبط

بچے، جوان، بوڑھے سب اپنے متعلق کچھ نہ کچھ رائے رکھتے ہین، کوئی اپنے کو ہر جگہ اور ہر موقع پر بلند و برتر سمجھتا ہے، اور کوئی اپنے کو کہین بھی کسی قابل نہین سمجھتا، ایک شخص ہر مجلس مین پیش پیش رہتا ہے، دوسرا آدمی کی صورت سے بھاگتا ہے، یہ روزانہ کے مشاہدات ہین، لیکن ان کی علت بظاہر

سمجھ مین نہیں آتی، مگر غور کرنے سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے، کہ یہ مالیخولیا ہمارے بزرگون کے سلوک سے پیدا ہوتا ہے، اور بچپن سے اسکی نشو و نما ہوتی رہتی ہے،

یہ خیال اسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے، جب ہم اپنی چھوٹی سی ذات کو بڑے بوڑھون سے گھرا پاتے ہین، اور جن کی عقل، طاقت اور قوتِ عمل کے متعلق ہمارے خیالات مبالغہ آمیز ہوتے ہین، ہر بچہ اپنے کو چھوٹا اور کم سمجھتا ہے، اور اپنے بڑون کو حیرت سے دیکھتا ہے، اس حد تک اس کا یہ خیال فطری ہے، لیکن اگر اس کے ساتھ بڑون کا سلوک اس قسم کا ہے، کہ اس سے اس کے دل مین یہ شبہہ پیدا ہو جائے، کہ اس کی یہ کمی فطری نہین، بلکہ ذاتی نقص کی وجہ سے ہے، تو وہ حد سے زیادہ خود احساس ہو جاتا ہے، اس کی نظر ہمیشہ اپنے اوپر رہنے لگتی ہے، اور وہ اپنے نقص و کمی کے خیال مین غلطان و پیچان رہتا ہے،

بچپن مین سوچنے کی صلاحیت تو ہوتی نہین ہے، اسلئے بار بار وہ اپنے دل سے یہ سوال کرتا ہے، کہ لوگ میرے متعلق کیا رائے رکھتے ہین، اگر کسی نے کبھی، بدمعاش، کاہل، سُست، اکڑو جیسے الفاظ کہہ دیئے، تو اس کو یقین ہو جاتا ہے، کہ وہ سچ کہہ رہے ہین، اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بزرگ کچھ نہین کہتے لیکن وہ ان کے رویہ سے ان کی رائے کا پتہ چلاتا ہے، وہ ہر بے رُخی کو بُری طرح محسوس کر کے اور اپنے ذاتی نقص پر محمول کرتا ہے، اگر کبھی اس پر کوئی ہنس دے، تو اس کے دماغ مین یہ بات سما جاتی ہے، کہ واقعی اسکی صورت مضحکہ انگیز ہے، ڈانٹ ڈپٹ اور روک ٹوک سے جو بزرگون کی فطرت ہی، لڑکے اپنے کو نا اہل اور ناکارہ سمجھنے لگتے ہین، اس اعصابی پریشانی کو سمجھنے کے لئے بچپن کے قائم شدہ اس نقش پر گہری نفسیاتی نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہی، یہ دو طرح کے ہوتے ہین،

اگر کسی لڑکے کے ساتھ بچپن مین گرد و پیش کا سلوک ایسا ہو، کہ اس کے دماغ پر یہ خیال مسلط ہو جائے، کہ وہ گھر کے تمام افراد سے کمتر اور بزرگون کے لئے وبال ہے، تو یہ ابتدائی نقش برابر

گرا ہوتا جاتا ہے، اور جیسے جیسے عمر بڑھتی جاتی ہے، وہ خیالی کمزوری اور کمی کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے، اس کے مقابلہ مین دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ لڑکا ایسے ماحول مین پلتا ہے، جہان وہ کسی طرح اپنے کو تمام ساتھیون سے برتر سمجھنے لگتا ہے، اور جیسے جیسے سن شعور کو پہنچتا ہے، اسی دھن مین رہتا ہے، کہ کسی طرح اس حیثیت کو قائم رکھے، حتی الامکان اسی بات کی کوشش کرتا ہے جس سے وہ دوسرون پر غالب رہے، اور اس کام سے ہمیشہ پرہیز کرتا ہے، جس سے اس جذبہ کو نقصان پہونچنے کا خطرہ ہو،

کمتری اور برتری دونون کے احساس مین کوئی خاص فرق نہین ہوتا، دونون حالتون مین اپنی ذات کا احساس اتنا چھایا رہتا ہے، کہ اس کے مبتلا کی حالت کو غیر مطمئن اور خطرناک بنا دیتا ہے، اگر کمتری کا احساس ہے، تو اس وقت تک چین نصیب نہین ہوتا، جب تک خیالی کمزوریون پر پردہ ڈالنے کا سامان مہیا نہ ہو جائے، اور برتری کا احساس اسکی جگہ نہ لے لے، اور اگر برتری کا خبط سوار ہوا، تو اس وقت تک سکون نصیب نہین ہوتا، جب تک اس کا یقین و اطمینان نہ ہو جائے، کہ زندگی میں اس کا کوئی حریف و مقابل نہین ہے،

ان تمام باتون پر غور کرنے سے یہ سوال ہوتا ہے، کہ اس کا علاج کیا ہے؟ اس کا جواب اس تمثیل سے مل سکتا ہے، کہ انسان ایک مشین یا انجن ہے، جسے زندگی کے شاہراہ پر چھوڑ دیا گیا ہے، جسم بائیلر، دماغ ڈرائیور اور قوت حیات اسٹیم یا بھاپ ہے، بھاپ کا ایک دباؤ ہوتا ہے، جسے زندگی کو خوش گوار بنانے کی خواہش سے تعبیر کر سکتے ہین، اب یہ انجن ڈرائیور کا کام ہے کہ وہ انجن کو خوشنما وادیون مین لیجائے، یا لق و دق صحراؤن مین، اگر ڈرائیور یعنی دماغ زندگی کی راہ کو خوش آیند سمجھتا ہے تو وہ اسکی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے، اور زندگی خوشگوار معلوم ہوتی ہے لیکن اگر راہ مین خطرات نظر آئے تو اس کے دو عمل ہوتے ہین، یا تو

وہ بائلر کے اندر بھاپ کو دبائے رکھے، جس سے انسان انقباض تردد اور پریشانی مین پڑجاتا ہے، کیونکہ اس وقت ڈرائیور کو راستہ صاف نہیں دکھائی دیتا، اور وہ راہ کی تعیین کی سوچ مین پڑجاتا ہے، دوسرا عمل یہ ہوسکتا ہے کہ وہ سامنے کے خطرات سے بچنے کے لئے انجن کو مخالف سمت موڑ دیتا ہے، یہ انتہائی خوف کی حالت ہوتی ہے، اور اس سے اس وقت رہائی حاصل نہیں ہوتی، جب تک اسے کوئی کنج عافیت نہ مل جائے،

گویا ساری باتون کا انحصار انجن ڈرائیور کے خیال پر ہے، اگر وہ محفوظ مقامون کو خطرناک سمجھتا ہے، یا خطرناک مقامون کو محفوظ تصور کرتا ہے، تو وہ اسی خیال کے تحت مین کام کرتا ہے، اس کی آنکھیں حقیقت کو نہیں دیکھتین، بلکہ اس کے خیالات اس کے اعمال کے ذمہ دار ہوتے ہین، اس تمثیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے، کہ انسان بچپن کی ناسمجھی مین کس طرح اپنے متعلق غلط رائے قائم کر لیتا ہے، اور پھر ہمیشہ یہ سوچا رہتا ہے، کہ زمانہ مجھے کیا کہتا ہے، اور گرد و پیش سے قطع نظر کرکے اس کی ساری توجہ اپنی ذات پر مرکوز ہو جاتی ہے، وہ اپنے ہر عیب کو اتنا بڑا سمجھتا ہے، کہ اسکی موجودگی مین اسے اپنی زندگی مین کامیابی کی کوئی امید نہین رہ جاتی حالانکہ اُسے یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنی ذات کو تو کسی طرح بدل نہیں سکتا، انجن جیسا بھی ہے اسی سے کام لینا ہے، ایسی حالت مین ایک سیدھی راہ پکڑ لے، اور زمانہ کے کہنے سننے کا مطلق کوئی خیال نہ کرے، بلکہ اسکی نظر زمانہ کی رفتار پر ہونی چاہیے، کہ وہ زمانہ کو کیسا سمجھتا ہے، اور اس سے کتنا فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور یہ طے کرلے کہ زمانہ کچھ بھی سمجھے یا کہے ہمین اپنا مستقبل روشن بنانا ہے، اور ان مقاصد کے لئے ہمارے پاس یہی ایک انجن ہے، اسے یون بھی کہہ سکتے ہین، کہ زندگی کو کامیاب بنانے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم دنیا کو ایک تجربہ گاہ تصور کرین، جہان ہمارا کام رازہائے سربستہ کو کھولنا ہے، قیمت اس بات سے نہیں بڑھتی

کہ زندگی مین ہمین کتنی خوشی اور مسرت ملنی چاہئے، بلکہ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ زندگی کو ہم کتنا دلچسپ اور خوشگوار بنا سکتے ہین، اور اسی کے اندر اپنے کو بڑھانے کے کون کون سے وسیلے دریافت کر سکتے ہین، اس اصول کے مطابق دنیا کا سب سے بڑا غریب یا بہت معمولی آدمی بڑی خوشی و مسرت کی زندگی بسر کر سکتا ہے، اس کے مقابلہ مین ایک بڑے عاقل اور دولت مند انسان کا مصیبتون اور تکلیفون مین مبتلا رہنا ممکن ہے، خوشی اور کامیابی کا راز صرف خیال مین مضمر ہے، تجربات کی دنیا مین مسرت کی تلاش ہونی چاہئے،

انسان کو اپنی حالت کا موازنہ دوسرون سے نہ کرنا چاہئے، کہ کون کون سی خوبیان اور عیوب دوسرون مین ہین اور مجھ مین نہین ہین، اس سے زندگی خوش و خرم نہین رہ سکتی، بلکہ اپنی حالت کا اندازہ ان صلاحیتون سے لگانا چاہئے، جو ہماری ذات مین موجود ہین، ارادہ مین قوت، دماغی صلاحیتون پر بھروسہ، صحیح نظر، اپنی ذات پر اعتماد اور زمانہ کو پہچاننے کی اہلیت، زندگی کی کامیابی کے ارکان و اصول ہین، اور زندگی کے تجربات مین بھی ایک مزہ ہے، ہر تجربہ آیندہ زندگی کے لئے دلیل راہ بنتا ہے، دنیا کو سمجھنا اور اس کے اندر اپنے لئے اچھی جگہ بنا لینا خوشی اور کامیابی کی اولین شرط ہے، صحیح نظریہ یہ ہے کہ ہم زمانہ کو کیسا سمجھتے ہین، یہ نہیں ہے کہ زمانہ ہمیں کیا کہتا ہے،

(ا - ع)

دولت عثمانیہ جلد اول

یہ مسلمانوں کی زندہ حکومت ترکی کے عروج و زوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے، پہلے حصہ میں عثمان اول سے مصطفی رابع تک پانچ صدیوں کے مفصل حالات ہیں، اردو میں ابتک ترکی حکومت کی اس سے زیادہ جامع اور مستند تاریخ نہیں لکھی گئی، از مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے رفیق دارالمصنفین ضخامت ۹۰ ۶ صفحے، قیمت: سے

"منیجر"

اخبارِ علمیہ

کلام اللہ کا ایک عتیق نسخہ

کولمبیا یونیورسٹی نے حال ہی مین ایک روسی کتب فروش سے سمرقند کے ایک مشہور کوفی قرآن کے عکسی فوٹو کی ایک کاپی خریدی ہے، یہ ان پچاس کاپیون مین سے ایک ہے، جو ۱۹۰۵ء مین سینٹ پیٹرسبرگ لائبریری میں ڈاکٹر لیبارٹ نے تیار کرائی تھین، اسکی اصل انقلاب روس کے زمانہ مین ہندوستانی مسلمانون کی درخواست پر سمرقندیون کو واپس کر دی گئی تھی، اسکے بعد پھر اس کا کوئی پتہ نہ چلا، روسیون کے پاس یہ نسخہ کیسے آیا تھا، اسکی تاریخ دلچسپ ہے،

اے شیلونن (A. Shelunin) کی روایت کے مطابق اس کو ترکستان کے گورنر جنرل ون کافمین (Von Kaufman.) نے پیٹرسبرگ کی پبلک لائبریری میں تحفۃً پیش کیا تھا، اور اسی کیساتھ اسکی یہ مختصر تاریخ لکھی تھی، کہ

ضلع زاریہ شانسکی (Zaria Shansui) کے سالار نے مجھے کوفی رسم الخط کا ایک قرآن جو چرمی کاغذ پر لکھا ہوا، اور اعراب اور دوسری علامتون سے معرّا تھا، دیا، اس سے پہلے وہ سمرقند کی ایک مسجد کی ملکیت مین تھا، مسلمانوں کی نگاہ میں اس قرآن کی اہمیت کا اندازہ کرکے میجر جنرل ابراموو (Major Abramov) نے ضلع سمرقند کے لفٹنٹ کو مقرر کیا کہ وہ اس بات کا پتہ چلائے کہ اس قرآن کو لینے سے مسلمانون کے مذہبی جذبات کو ٹھیس تو نہیں لگے گی، علماء اور

دوسرے معززین نے اس سے کہا کہ قرآن اگرچہ ہمیشہ سے مسجد مین رکھا تھا لیکن اسکی ملکیت مین نہ تھا، بلکہ امیر بخارا کی ملکیت سمجھا جاتا تھا، اب یہ قرآن نہ تو مسلمانون کے مصرف کا ہے، اور نہ مسجد کے، اس کے قدیم رسم الخط کی وجہ سے اسکو کوئی پڑھ بھی نہین سکتا، اور صدیون سے بیکار پڑا ہے، اس بیان کے بعد میجر نے اسکو خرید لیا،

اس قرآن کی تاریخی اہمیت کے لحاظ سے مین اس کو مسجد کے دو ملاؤن کے فتوے کے ساتھ آپ کے پاس بھیجتا ہون، اس خط مین مین نے اس قرآن کی مختصر تاریخ لکھدی ہے، اسے آپ مع فتوے کے شاہی پبلک لائبریری مین میری طرف سے ہدیۃً داخل کردین،

اس قرآن کے متعلق جو دنیا کے قدیم ترین نسخون مین سے ایک ہے، پوری تفصیل شیبون نے ۱۸۹۱ء مین شائع کرائی تھی، لیکن جو کچھ روس کے ایک رسالہ مین نکلا، وہ یورپین علمار تک نہین پہونچ سکا، اسکی تقطیع ۵۲ × ۷۰ سنٹی میٹر اور صفحات کی تعداد ۲۵۲ ہے،

کاغذ دبیز مضبوط چرمی ہے، ۹۹ بچے یا گمشدہ اوراق کی جگہ اسی سائز کے دوسرے کاغذ لگے ہوئے ہین، ۳۵۳ اوراق مین اب صرف ۱۵ سالم ہین، باقی مین کچھ نہ کچھ نقصانات ہین،

خط:- جلی کوفی ہے، اور حد سے زیادہ تناسب، کوئی حرف توازن سے نکلنے نہیں پایا ہے، بعض امتیازی نشانات کو چھوڑکر سارے قرآن مین کوئی نشان یا علامتین نہین ہین،

البتہ مختلف سورتون اور آیتون کو ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ کرنے کے لئے نشان کے خطوط بنا دیے گئے ہین، تقریباً ہر دس آیتون کے بعد رنگین نشانات بنے ہوئے ہین، جنکی شکل عموماً ڈھائی سنٹی میٹر مربع ہے،

اس مربع مین ایک ستارہ بنا ہوا ہے، جس کا قطر ایک سنٹی میٹر ہے، جس کے اندر آیتون کے شمار کا عدد ہے، یہ پھول نما نقوش زیادہ تر چار رنگ کے ہین، ارغوانی، سبز، نیلے اور نارنجی، ان

نقوش کی تعداد ایک سو پچاس ہے، مختلف سورتون کو خاص قسم کے نشانات کے ذریعہ ایک دوسرے سے ممتاز کیا گیا ہے،

کتابت کا املا عموماً کوفی رسم الخط کے مطابق ہے، لیکن بعض بعض جگہ اس سے مختلف بھی ہے، آخر مین شیبون نے لکھا ہے کہ اسکی کتابت دوسری صدی ہجری کے اوائل مین عراق مین ہوئی تھی، رسم خط املا اور دوسری خصوصیات کے اعتبار سے اس قسم کا دوسرا نسخہ پیرس مین بھی ہے،

جاپان مین عالم اسلامی کی نمایش

کچھ عرصہ ہوا دو ہفتہ تک ٹوکیو اور اوساکا مین اسلامی دنیا کے مذہبی، تمدنی، سیاسی، اقتصادی امور کی نمایش کی گئی، یہ نمایش بہت پسند کی گئی، اس کے دیکھنے والون کی تعداد روزانہ لاکھ سے زیادہ ہوتی تھی، اس نمایش کے موقع پر اسلامی ممالک کے نمایندہ بھی شریک ہوئے تھے،

نمایش مین جامع مسجد دہلی مین عید کی نمازیون، بغداد، ایران، قاہرہ، انگورہ، کاروان حج، افغانستان، مکہ معظمہ، ترکستان اور مصر کے مختلف مناظر کی بڑی بڑی تصویرین بھی تھین،

مسلمان نمایندون مین عبدالرشید ابراہیم، موسیٰ جار اللہ، سید مجتبیٰ، محمد علی جاہی، سید اسمٰعیل جیسے ممتاز اکابر بھی شریک تھے، اس سلسلہ مین ایک جلسہ بھی ہوا، جس مین ان لوگون نے اسلامی مسائل پر تقریرین کین،

جاپان کی تعلیمی حالت

جاپان مین ابتدائی تعلیم جبری ہے، ۹۹،۶ فی صدی جاپانی بچے پرائمری اسکولون مین تعلیم پاتے ہین، یہ اسکول ہر جگہ قائم ہین، سارے جاپان مین ناخواندون کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے، یہ ابتدائی تعلیم کا حال ہے، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم بھی بہت ترقی پذیر ہے، پورے جاپان مین ۵۰ یونیورسٹیان،

تقریباً دو سو کالج، دو ہزار مڈل اسکول، اور ایک ہزار زنانہ مڈل اسکول قائم ہین، ہر تعلیم گاہ جدید ترین اصول پر ہے، اس کے بعد اخبارات اور پبلشنگ کا نمبر ہے، اس مین بھی وہ کسی ملک سے پیچھے نہین ہے، تعلیم کیساتھ طباعت کے کام مین بھی حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے، ایک سال مین تقریباً بیس ہزار موضوعون پر کتابین شائع ہوئی ہین، مختلف اخبارات کی تعداد بیس ہزار ہے، جن مین ایک ہزار پانچ سو روزانہ ہین، بعض اخبارون کی اشاعت بیس لاکھ سے زیادہ ہے، رسالے بھی ایک لاکھ سے زیادہ نکلتے ہین، اکثر ماہانہ رسالون کی اشاعت پانچ لاکھ تک ہی،

مقناطیس سے خون کی جانچ

کیلی فورنیا یونیورسٹی لوس انجلز کے ڈاکٹر سی، ڈی، کوریل (Dr. C. D. Coryell) نے مقناطیس اور خون کے سلسلہ مین یہ حیرت انگیز انکشاف کیا ہی، کہ خون مقناطیس کا جزو ہے، چنانچہ خون سے بھری ہوئی ایک نلکی دو تیز برقی مقناطیس کے درمیان رکھی گئی، اسکے اثر سے قریب کے کھڑے ہونیوالے ڈاکٹر کی رگون کا خون تیزی سے اسکی طرف کھنچنے لگا، مزید تجربہ کیلئے دوسرے اجزا بھی رکھے گئے، لیکن اتنی کشش کسی سے نہیں ہوئی، ڈاکٹر کوریل نے جس گیلن گائے کے اور خود اپنے خون پر اس عمل کا تجربہ کیا جس کا نتیجہ بہت اچھا نکلا، امید ہے کہ اس انکشاف سے خون سے زہر کو روکنے مین بڑی مدد ملے گی.

بولنے والی مچھلی.

نیویارک کے ریڈیو اسٹیشن سے ایک مچھلی کی بولی نشر کی گئی، جس نے لوگون کو حیرت مین ڈالدیا، یہ مچھلی جنوبی امریکہ کے ایک علاقہ ایمزن مین پائی گئی تھی، اور جزیرہ اسٹیٹن کے عجائب خانہ مین رکھی گئی، وہان سے نیویارک کے ریڈیو اسٹیشن لائی گئی، اور فطری تاریخی پروگرام مین اسکی عجیب و غریب آوازین سنی گئین.

(ا-ع)

مطبوعات جدیدہ

تنظیم اردو، از جناب حکیم سید ابو العلا، صاحب ناطق لکھنوی، تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ، پتہ معلوم نہین،

نثر مین اردو زبان کی اچھی سے اچھی تاریخین موجود ہین، لیکن اسکی منظوم تاریخ کی جدت ہماری زبان کے کہنہ مشق ادیب و شاعر حکیم سید ابو العلا، صاحب ناطق کے حصہ مین آئی، نظم کے گوناگون قیود اور محدود پیرایہ بیان مین مختلف النوع تاریخی واقعات کا اس طرح نظم کرنا کہ تاریخی حقائق کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، اور لطف شاعری مین بھی فرق نہ آئے، بڑا دشوار کام ہے، ناطق صاحب کی قادر الکلامی نے اس دشوار کام کو آسان کر دکھایا، اور کل ستاون بندون مین اسلامی ہندستان کے زمانہ سے صدیون پیشتر، عرب، وسط ایشیا اور ہندوستان کے قدیم علمی و تجارتی تعلقات کے عہد سے لیکر لکھنو کے آخری دور تک اردو زبان کی پیدائش، مختلف صوبون مین اسکی نشو و نما، عہد بعہد کی ترقیون، ہر دور کے شعرا و مصنفین اور نظم و نثر کی ترقیون کی پوری تاریخ بیان کر دی ہے، اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اردو زبان کی ضخیم تاریخون مین جو کچھ لکھا جا چکا ہے، اس کا نچوڑ اس مختصر نظم مین موجود ہے، اور لطف بیان مین کہین فرق نہیں آنے پایا ہے، کتاب کے شروع مین مولنا عبد الماجد صاحب دریابادی، مرزا جعفر علی خان اثر، مولوی محمد حسین صاحب محوی، خواجہ حسن نظامی اور دوسرے متعدد اہل قلم کے دیباچے، تبصرے تعارف اور پیش لفظ وغیرہ ہین، خود مصنف کے قلم سے اردو زبان اور شاعری کے رموز و نکات پر ایک عالمانہ مقدمہ ہے، ہر شاعر اور ناظم کے نام کے بالمقابل حاشیہ پر اس کے کلام کا نمونہ دیدیا

ہے، اور ایک مستقل حاشیہ مین نظم کے تاریخی اشارات کی تشریح اور اشخاص کے مختصر حالات ہین، اس طرح یہ مختصر نظم اردو کی پوری تاریخ بن گئی ہے، اردو زبان کے جنم بھوم کے مختلف عنوان کو مصنف نے بڑی خوبی سے فیصل کیا ہے، لیکن اس نظم کی زبان حال سے ثابت ہے، کہ اردو زبان کی خدمت مین ان کے وطن کا پلہ سب پر بھاری ہے، امید ہے کہ اہل علم کے حلقہ مین نظم کے شایان شان اسکی قدردانی ہوگی،

خندان اور دوسرے مضامین

از پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۸۱ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ: مکتبہ جامعہ دہلی، لاہور، لکھنؤ، بمبئی،

یہ پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی کی چالیس ریڈیائی (برقی) تقریرون کا مجموعہ ہے، رشید صاحب کا خاص رنگ طنز وظرافت حدود وقیود کا پابند نہین ہے، اس کا میدان جتنا تنگ ہوگا، اتنا ہی اسکا وار کمزور ہوگا، اسلئے خیال تھا، کہ ریڈیو کی گوناگون پابندیون مین تیغ زبان کی وہ کاٹ اور چمک باقی نہ رہی ہوگی، لیکن ان تقریرون کے پڑھنے سے معلوم ہوا، کہ کمال کا اصل ظہور وسعت وآزادی مین نہین، بلکہ قیود اور پابندیوں ہی مین ہوتا ہے، ان تقریرون مین زندگی کے مختلف النوع واقعات وحالات اور روزانہ کے مشاہدات وتجربات کی نہایت سچی اور دلچسپ تصویرین ہین، نوعیت کے اعتبار سے ان مین انسانی فطرت کے مختلف رخون کی مصوری اور افراد اور جماعتون کی خصوصیات ہین، ان مین دلکش مرقعے بھی ہین اور سبق آموز خاکے بھی، حقائق وصداقتین بھی ہین، اور بذلہ سنجی کے پھول بھی، ادب وانشاء کا طلسم بھی ہے، اور الفاظ کا کھیل بھی، لیکن اس کتاب کی جان وہ مضامین ہین جن میں انسانی کمزوریون کی رگ پر نشتر زنی ہے، انسانی کمزوریان اور اسکی خود فراموشیان ایسے ایسے خوشنما غلافون مین چھپی ہوتی ہین، کہ بعض اوقات ان کے مبتلا بھی انھین نہین

پہچان سکتے، یہ دیدہ ور نقاد کا کام ہے، کہ وہ پہچان لے، اور ان کے چہرہ سے نقاب ہٹا کر اصلی صورت نمایان کردے، چنانچہ ان مضامین مین ان خود فراموشیون اور موجودہ دور کی پیداوار، تہذیب، تعلیم سیاست، آئین، قوانین، لیڈری، اڈیٹری، پبلک، کونسل، الکشن، کانفرنس، کمیٹیان، عدالتین، تجارت اور دوسری گرانمایہ اجناس کے چہرہ سے جس طرح نقاب اٹھائی گئی ہے، وہ عوام کے لئے سامان تفریح اور خواص کے لئے مقام عبرت ہے، بعض بعض فقرے جو پورے مضمون کی جان ہین معنی کی وسعت کے لحاظ سے نیز سبق آموزی کے اعتبار سے گنج حکمت اور تاثیر کے اعتبار سے نشتر وفصاد کا حکم رکھتے ہین، اور انکی کند اتنی ہمہ گیر ہے، کہ ممکن نہیں، آپ کے آس پاس ہی ان کا نشانہ نظر نہ آجائے، بعض اوقات خود اپنا جائزہ لینے کی ضرورت پیش آجاتی ہے، اگر ان فقرون کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے، تو ایک نصیحت آموز نشتر کدہ تیار ہو سکتا ہے، ان کا وار ایسا دل دوز ہوتا ہے، کہ اس کا مارا ہوا نہ فریاد کر سکتا ہے، نہ تڑپ سکتا ہے، اپنی خصوصیات کے اعتبار سے رشید صاحب کے دوسرے مضامین کی طرح یہ مجموعہ بھی پڑھنے کے لائق ہے،

باقیات بجنوری

مرتبہ جناب محمد فاتح فرخ تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۴۲ صفحے، ٹائپ ستھرا قیمت مجلد عہ، پتہ: مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی، اور اسکی شاخین،

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم ان ہونہار اور جوانمرگ ادیبون مین تھے، جن کی صلاحیتون کو بہت کم ظہور کا موقع ملا، اگر دیوان غالب پر ان کا مشہور مقدمہ نہ ہوتا، تو نئی نسلون کو ان کے ادبی پایہ کا علم بھی نہ ہوتا، عام طور پر ان کی یہی ایک علمی یادگار سمجھی جاتی تھی، لیکن اس کے علاوہ ان کے بعض مضامین اور تحریریں بھی تھیں، جنھیں ان کے فرزند رشید محمد فاتح فرخ نے کتابی شکل مین مرتب کر دیا ہے، گو ان کی تعداد بہت کم ہے، لیکن جس قدر بھی ہے، وہ ان کے ادبی درجہ اور ان کی دوسری صلاحیتون کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے، اس مجموعہ مین ٹیگور کی مشہور تصنیف

گلستان جلی" پر تبصرہ ہے، "وضع اصطلاحاتِ علمیہ" کے عنوان سے قومی زبان کی ضرورت کے مختلف پہلوؤن پر مبصرانہ بحث ہے، "سیر لکھنؤ" میں شاہانِ اودھ کے مشہور مرقعے سے ان کی تاریخ پر سرسری مگر سبق آموز روشنی ڈالی گئی ہے، "داشتہ آید بکار" مین وہ ہدایات و نصائح ہیں، جو مرحوم نے اپنی بھائی حبیب الرحمٰن کو علی گڈھ کے سفر کے موقع پر تعلیمی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق دئیے تھے، آخر مین یورپ کے سفر اور وہان کے قیام کے زمانہ کے چند خطوط ہین، "وضع اصطلاحاتِ علمیہ" اور "داشتہ آید بکار" سے ان کی وسعت و دقتِ نظر، اور مکاتیب سے ان کے مذہبی اور قومی جذبات کا اندازہ ہوتا ہے، ان مضامین کی تحریر اس زمانہ کے مذاق کے اعتبار سے کہین کہین نامانوس نظر آئیگی، لیکن یہ اس دور کی تحریر ہے، جب موجودہ طرزِ تحریر بن رہا تھا، امید ہے کہ بجنوری مرحوم کے قدردانون مین ان کی یہ یادگار مقبول ہوگی،

اسلام زندہ باد مولفہ جناب عبد المجید صاحب قرشی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰۰ صفحے،
کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت :- عہ، پتہ :- منیجر سیرت بک ڈپو پٹی ضلع لاہور،

مولوی عبد المجید صاحب قرشی جو مفید مذہبی خدمت انجام دے رہے ہین، مذکورۂ بالا کتاب اسی کی ایک کڑی ہے، کتاب مین دو باب ہین، پہلے باب مین بارہ ہندو اور عیسائی نومسلمون کی زبان سے ان کے قبولِ اسلام کے موثر اسباب بیان کئے گئے ہین، دوسرے باب مین سیرت نبوی کے اخلاقی پہلوؤن اور مختلف طبقات اور اصناف کے اسلام کے پیدا کردہ نمونون، خلیفۂ برحق، سلطانِ عادل، وزیرِ کامل، سپاہیِ حق شناس، تاجرِ فیاض، مصلحِ باصفا، عالمِ باعمل، جوانِ غیور، مجاہدِ جانباز، واعظِ بے طمع، سالارِ ذی شان، فرزندِ غیور، زاہدِ حق آگاہ، اور شہیدِ انور کے مذہبی، اخلاقی، اور مجاہدانہ کارنامون کو اس طرح پیش کیا گیا ہے، جس سے اسلام کی حقانیت، صداقت اور اسکی تاثیر کا نمونہ سامنے آجاتا ہے، یہ کتاب مختلف حیثیتون سے مفید ہے، لیکن بعض نومسلمون کے قبولِ اسلام کے اسباب ایسے ہین، کہ ان سے خوش عقیدہ مسلمانون کے ایمان مین تو ضرور تقویت ہوتی ہے، لیکن آج کل کے تعلیم یافتہ طبقہ

اور غیر مسلمون پر شاید اس کا اچھا اثر نہ پڑے، کہین کہین کتاب مین غلطیان بھی رہ گئی ہین، ایک مقام پر حضرت علیؓ کی زبان سے "مین حضرت ابو بکرؓ کے فضائل کا منکر نہ تھا" کے بجائے "منکر تھا" چھپ گیا ہے، ص ۹۴۔

پیامِ کیف جناب مرزا احسان احمد صاحب وکیل اعظم گڈھ، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰۰ صفحے،
کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ :- مصنف سے ملے گی،

پیامِ کیف ہمارے شہر کے مشہور خوش مذاق شاعر مرزا احسان احمد صاحب کے کلام کا مجموعہ ہے، دیباچہ مین مصنف کے قلم سے اس کے حالات اور کلام پر مختصر تبصرہ ہے، یہ دیباچہ اپنی سادگی اور واقعیت کے اعتبار سے عام دیباچہ اور مقدمہ نگارون خصوصًا اپنے قلم سے اپنے متعلق لکھنے والون کے لئے نمونہ ہے، دیوان کے شروع مین دو افتتاحیہ نظمیں ہین، اسکے بعد غزلین اور متفرق اشعار آخر مین مختلف نظمین ہین، شعر و سخن کا مذاق رکھنے والے طبقہ مین مرزا صاحب کے کلام کے تعارف کی ضرورت نہین، جدید دور کے غزل گو شعراء کے دوسرے دور مین جو حسرت، فانی اور اصغر مرحوم کے بعد شروع ہوتا ہے، مرزا صاحب کا ممتاز درجہ ہے، ان کا کلام پرانے تغزل کے ابتذال اور رکاکت سے بالکل پاک اور جدید پاکیزہ تغزل کا نہایت ستھرا نمونہ ہے، اس مین حسن کی عظمت و بلندی، عشق کی لطافت و پاکیزگی، خیالات کی رفعت، قلب کی حرارت، روح کی گرمی، جوش و سرمستی، اور خودداری و بلند نظری، جدید تغزل کے تمام عناصر اس کثرت کے ساتھ ہین، کہ ان کے کلام کی خصوصیت کہے جا سکتے ہین، اور حسن و عشق کا مقام اتنا بلند، ان کا ربط اتنا لطیف و پاکیزہ، اور باطنی کیفیتون سے اتنا معمور نظر آتا ہے، کہ روحانی کیف و سرور بن گیا ہے، عشق کی زاری مین خودداری اور بلند نظری کو نباہنا بہت مشکل ہے، لیکن اسکا سر رشتہ کہین ہاتھ سے چھوٹنے نہین پایا ہے، اس لحاظ سے شروع کی دو نظمین "سرور خودی" اور کیا ہون" خاص طور سے پڑھنے کے لائق ہین،

اکثر جدید شعراء کا یہ مشترک عجز ہے، کہ وہ اپنے خیالات کو دلنشین الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکتے، اس لئے ان کا کلام حسن بیان کے اعتبار سے بہت خام ہوتا ہے، لیکن مرزا صاحب کا کلام نہ صرف اس عیب سے پاک ہے، بلکہ وہ حسن معنی کے ساتھ حسن ظاہر کا بھی نمونہ ہے، الفاظ مترنم، بندشین رنگین، خوشنما بیان مین ندرت معانی اور برجستگی، جملہ ظاہری اوصاف سے آراستہ ہے، امید ہے کہ خوش مذاق طبقہ مین پیام کیف کی پوری قدردانی ہوگی،

خواتین دکن کی اردو خدمات | مولفہ جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۹۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت معلوم نہیں، پتہ:۔ نصیر الدین ہاشمی، ممتاز منشن روڈ، خیریت آباد، حیدر آباد دکن،

نصیر الدین صاحب ہاشمی اس سے پہلے عہد عثمانی مین حیدر آباد کی خواتین کی علمی ترقی پر ایک کتاب لکھ چکے ہین، اب پورے دکن کے ہر دور کی خواتین کی اردو زبان کی خدمت پر یہ دوسری کتاب لکھی ہے، اسمین زمانہ اور اصناف ترقی کے اعتبار سے مختلف دور اور طبقے قائم کرکے علٰحدہ علٰحدہ عثمانی عہد سے قبل اور اس کے بعد، جامعہ عثمانیہ کی پیداوار اور اس سے غیر متعلق شاعر، نثر نگار، مقرر، صحافی خواتین کے مختصر حالات ان کی شاعری، نثر اور تقریرون کے نمونے اور حیدر آباد کی نسوانی انجمنون کے حالات ہین، پھر اسی نہج پر برار، مدراس، بنگلور اور میسور کی چند خواتین کے حالات ہین، کتاب اپنے موضوع پر اتنی حاوی ہے کہ غالباً دکن کی کسی تعلیم یافتہ خاتون کا نام چھوٹنے نہین پایا ہے، حتی کہ زیر تعلیم لڑکیون تک کے حالات موجود ہین، اس سے دکن کی خواتین کی خدمت اردو کا تو اندازہ ہوجاتا ہے لیکن لائق مولف نے غالباً حوصلہ افزائی کے لئے مدح وستایش مین افراط سے کام لیا ہے،